علامہ سید سلیمان ندوی
کے
چند نادر
خطبات و
رسائل کا
مجموعہ
مرتبہ
ڈاکٹر مولانا سید سلمان ندوی
صاحبزادہ علامہ سید سلیمان ندوی
مجلس نشریاتِ اسلام
۱-کے 3، ناظم آباد مینشن، ناظم آباد، کراچی 74600

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# عرض مرتب

## ڈاکٹر مولانا سید سلمان ندوی صاحب

(ڈربن، جنوبی افریقہ)

(صاحبزادہ علامہ سید سلیمان ندویؒ)

مولانا تجمل زبیر ندوی صاحب مجلس نشریات اسلام کراچی اپنے علمی ذوق کی تکمیل کے لئے اپنے کاروبار تجارت کے علاوہ علمی کتابوں کی اشاعت کا بھی اہتمام کرتے ہیں۔ استاد مکرم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کی اشاعت ایک عرصہ سے کر رہے ہیں۔ اسی طرح والد ماجد حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کی اشاعت کا بھی اہتمام کرتے رہے ہیں اور اب بھی کر رہے ہیں۔ اب وہ والد ماجدؒ کے چند منتخب مضامین کا ایک مجموعہ "علامہ سید سلیمان ندویؒ کے چند خطبات و رسائل کا مجموعہ" کے نام سے شائع کر رہے ہیں۔

یہ مضامین ایک عرصہ ہوا دارالمصنفین اعظم گڑھ کے مجلہ معارف میں شائع ہوئے تھے، چونکہ یہ مضامین موجودہ حالات کے تناظر میں اہمیت کے حامل ہیں اس لئے دوبارہ یکجا مرتب کر کے شائع کئے جا رہے ہیں۔ سنت کے موضوع پر یہ مضمون آج بھی ویسا ہی اہم ہے جیسا اس وقت تھا۔ اسی طرح امریکہ کی دریافت کے سلسلہ میں عام تصور

یہ ہے کہ کولمبس نے دریافت کیا تھا۔ والد ماجد نے اس موضوع پر مضمون میں یہ ثابت کیا ہے کہ عرب امریکہ کو کولمبس سے پہلے دریافت کر چکے تھے اور عرب ملاح امریکہ کی نئی دنیا سے واقف تھے۔

والد ماجد کا سفر گجرات تاریخی اہمیتوں کا حامل ہے۔ ہندوستان میں ہیو اسلام کے تعارف و داخلہ کے سلسلہ میں اُن کا سفر گجرات تاریخی حقائق کی نقاب کشائی اور نشاندہی کے تناظر میں اہم اور دلچسپ ہے۔

کل پاکستان مجلس تاریخ (All Pakistan Historical Socity) کا سالانہ اجلاس فروری ۱۹۵۳ء میں مشرقی پاکستان مرحوم کے دارالسلطنت ڈھاکہ میں منعقد ہوا تھا۔ اُس کا کلیدی خطبہ والد ماجدؒ نے دیا تھا۔ اس خطبہ میں میں مشرقی پاکستان والوں کو بتایا گیا تھا کہ انگریزوں کی ہندوستان آمد کے وقت تک بنگالی کا رسم الخط فارسی و عربی تھا اور سا تھ ہی یہ مشورہ دیا گیا تھا کہ پاکستان میں یکجہتی و اتحاد کے لئے اور پاکستان کی مختلف زبانوں کے بولنے والوں کو ایک دوسرے سے قریب لانے کے لئے بنگالی کا رسم الخط ہندی کے بجائے دوبارہ عربی کر دیا جائے۔ مثلاً سندھی کا رسم الخط عربی ہونے کے باعث اس زبان سے ناواقف حضرات بھی کچھ نہ کچھ انسیت رکھتے ہیں اور اس کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ بنگالی کا رسم الخط اگر عربی کر دیا جائے تو بنگالی زبان پر جو سنسکرت و ہندو تہذیب کا اثر ہے وہ ختم ہو کر اسلامی تہذیب و تمدن میں ڈھل جائے گی۔ اس خطبہ کے بعد مشرقی پاکستان کے اس وقت کے تناظر میں بنگالی زبان کے قوم پرستوں نے سخت احتجاج حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ کے خلاف کیا تھا اور اس مشورہ کو قبول نہیں کیا۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے عناصر میں ایک عنصر زبان کی اہمیت بھی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان مضامین کا دوبارہ مطالعہ کیا جائے تاکہ ان مختلف مسائل کا انحصار تاریخی حقائق کی روشنی میں ہو سکے۔

اشتراکیت و اسلام کا موضوع آج بھی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ آج بھی اس نظریہ پر بحث جاری ہے۔ آج امت مسلمہ کا سب سے بڑا مرض ایمان و ایقان کی کمزوری ہے۔ ایمان کے موضوع پر مسلم یونیورسٹی علیگڑھ میں ان کی تقریر ایمان افروز ہے اور قابل توجہ ہے۔

مجلس نشریات اسلام الحمد ماجدؒ کی کتابوں کے بھی ناشر ہیں۔ اُمید ہے کہ انشاء اللہ اُن کی ایسی کتابیں جو اس وقت مفقود الطبع ہیں۔ مجلس نشریات اسلام اُن کے دوبارہ اشاعت کا اہتمام کرے گی۔ علیہ توکلت والیہ انیب

❖❖❖

سید سلمان ندوی

(کراچی پاکستان)

۱۸ اکتوبر ۲۰۰۱ء
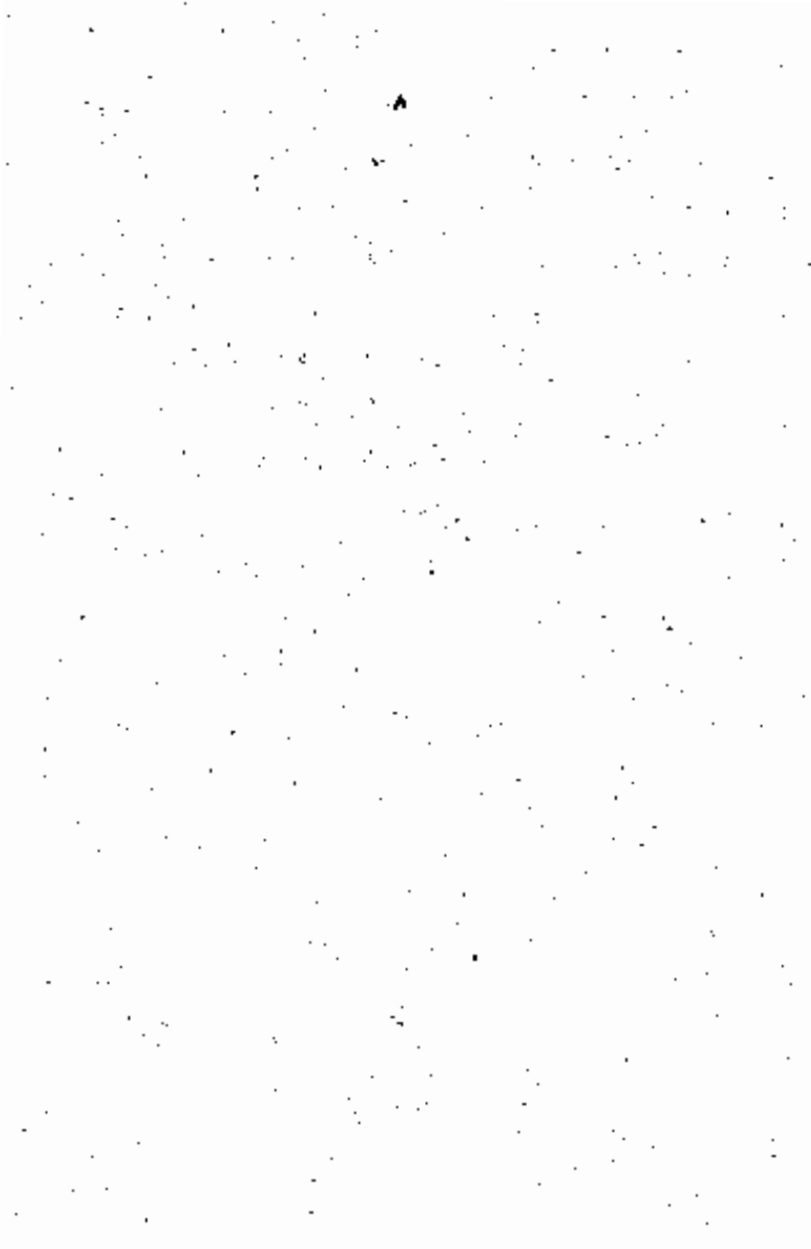
# اشتراکیت اور اسلام

# اشتراکیت

خطبہ مسنونہ کے بعد

حضرات آج شب کے لئے جو عنوان رکھا گیا ہے اس کے متعلق مجھے کچھ اظہار خیال کرنا ہے۔ یہ بات مخفی ہوئی نہیں ہے کہ دنیا میں جماعتیں اور قومیں کسی خاص اصول پر بستی ہیں۔ اور وہ اصول خواہ مذہبی، فکری اور نظری ہو۔ مثلاً آپ دیکھیں گے کہ اس دنیا میں جو انسان آباد ہیں۔ ہر انسان علیحدہ علیحدہ ہے۔ ایک ملک کے انسانوں کا دوسرے ملک کے انسانوں سے کوئی تعلق نہیں ہے لیکن جماعتوں اور قوموں کے لئے ضرورت اس بات کی ہوتی ہے کہ کوئی ایسا عقیدہ قائم کیا جائے کہ اس عقیدہ میں سب کے سب شریک ہوں۔ سب فکر اس کو وحدت میں بدل دیں۔ جب تک جماعتوں میں یہ نہ ہو کوئی بڑا کام انجام نہیں پاتا۔

کسی کو کوئی ملک فتح کرنا ہے۔ تو ایک ایک سپاہی کچھ نہیں کر سکتا ہے۔ سپاہیوں کی فوج بناتے ہیں اور سپاہیوں کی فوج بنانے کے لئے ضرورت اس بات کی ہوتی ہے کہ حکومت کے قانون کے مطابق خیال کے مطابق نظریہ کے مطابق وحدت قائم کی جائے۔ اور پھر فوجوں کے نام رکھے جاتے ہیں۔ اور یہ نام اس لئے رکھے جاتے ہیں کہ مختلف افراد کے درمیان اشتراک پیدا ہو جائے۔ اس وقت دنیا میں مختلف قوموں کی مختلف فوجیں ہیں۔ اور ان کے علیحدہ علیحدہ نام ہیں۔ فوج کے سپاہیوں کی انفرادی حیثیت کو نکال کر جماعت کی شکل دیکر نام رکھے جاتے ہیں۔

اسی طرح آپ دیکھیں گے کہ دنیا میں مختلف قومیں آباد ہیں ان کی سلطنتیں اور حکومتیں ہیں۔ جس جماعت کیلئے تقویت تنظیم ضرورت اس بات کی ہے کہ ایک مطلب ہو۔ ایک غرض ہو۔ ایک عقیدہ ہو۔ جو ایک رشتہ میں باندھ کر ایک بنا دے اور اسی اصول پر دنیا کی ساری قومیں منظم کر دی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں

پاک قوم کو مغضوب فرمایا ان پر اللہ کا غضب نازل ہوا۔

مفسرین نے اور خود قرآن پاک سے ثابت ہے کہ یہ قوم یہود تھی؟ جیسا کہ سورہ فاتحہ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے غضب نازل کیا سورہ فاتحہ کو ہر شخص نماز میں پڑھتا ہے اس کا ترجمہ یہ ہے کہ اے پروردگار ہم کو اس راستے پر چلائیے جس پر چلنے والوں پر تیرا انعام ہو۔ اس پر نہیں جس پر تیرا عذاب غضب نازل ہوا۔ یا جو گمراہ ہوئے جن پر عذاب نازل ہوا وہ یہود تھے۔ بنی اسرائیل تھے۔ حالانکہ یہ وہ گروہ ہے جس سے انبیاء پیدا ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے یہود کو مغضوب علیہم فرمایا ہے۔ ان سے ہمیشہ کیلئے لو نبوت ملت کی اور ولایت قبلہ چھین لی گئی۔ جس میں سینکڑوں انبیاء پیدا ہوئے۔ جن کو فضیلت عطا فرمائی تھی۔ انہیں کو مغضوب فرمایا۔

اس کی کیا وجہ تھی۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ انہوں نے اللہ کے احسان کی قدر نہیں کی نافرمانی کی وہ کسی قسم کی ہدایت قبول کرنے کو تیار نہ ہوئے۔ اور ان کے دل سخت ہو گئے۔

محمدؐ صلعم کی بعثت تک کا زمانہ ہدایت اختیار کرنے کے لئے مہلت کا زمانہ تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ بنی اسرائیل سے نبوت ولایت چھین لی گئی۔

بنی اسرائیل کے بجائے بنی اسمٰعیل کو سپرد کی گئی قرآن پاک میں ذکر آیا ہے محمدؐ صلعم کی بعثت تک کا زمانہ آخری مہلت کا زمانہ تھا۔

مگر انہوں نے ہدایت قبول نہیں کی۔ اور اپنی ضد پر اڑے رہے۔

معراج کی رات محمدؐ صلعم کی نبوت کا اعلان بیت المقدس میں ہوا کہ یہ آخری نبی ہیں۔ سارے انبیاء کی امامت حضورؐ پر تمام ہوئی ہے۔ یہ بات ثابت ہے کہ حضور کی نبوت تک بنی اسرائیل کو ہدایت پکڑنے کے لئے مہلت دی گئی تھی۔ جس

کو انھوں نے کسی صورت سے بھی قبول نہیں کیا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے غضب نازل فرمایا۔ یہ غضب و عذاب اس قوم پر نازل فرمایا جس کو اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ بہت فضیلت والی تھی (انی فضلتکم علی العالمین) جو سارے عالم پر فضیلت والی تھی۔

دنیا میں دو قسم کے لوگ ظاہر ہوئے ایک انبیاء ہیں جنھوں نے اللہ تعالیٰ سے ہدایت پاکر مخلوق کی رہنمائی کی دوسرا گروہ فلاسفروں کا ہے۔ جو مادی راستوں سے حقائق تلاش کرتے ہیں۔ یہ دونوں گروہ دنیا میں ظاہر ہوئے۔ عقلاء اور انبیاء۔

انبیاء تو اپنے روحانی فیوض و برکات کی وجہ سے انسانوں کی رہنمائی فرماتے ہیں اور وحی الٰہی سے رہنمائی فرماتے ہیں۔

اور عقلاء اپنے غور و فکر کی وجہ سے دنیا کی راہبری کرنا چاہتے ہیں۔ آج دنیا میں اللہ کا جو نام باقی ہے تو وہ انبیاء کا فیض ہے۔ انبیاء کی ہدایت اور رہنمائی کا نتیجہ ہے۔ عقلاء کا نہیں۔

اکثر عقلاء تو اللہ کے انکار کی طرف مائل ہیں مگر کوئی نبی ایسا نہیں ہے۔ جس نے اللہ کے سوا کسی کی دعوت دی ہو۔

انبیاء نے سیدھی راہ بتلا دی اگر دنیا میں کہیں راست گوئی ہے۔ حق پرستی ہے جھوٹ کے گناہ کا احساس ہے دیانت ہے۔ امانت ہے۔ چاہے وہ دنیا کے کسی حصہ میں ہو جنگل میں چاہے پہاڑ میں چاہے صحرا میں گاؤں میں شہر میں تو یہ انبیاء کی وجہ سے ہے۔ یہ چیزیں عقلاء کی وجہ سے نہیں آئیں۔ لیکن یہودی تھے جنھوں نے سب سے پہلے انبیاء کے راستہ کو چھوڑ کر نبوت کی تعلیم کو چھوڑ کر اپنا راستہ تلاش کیا۔ اور یونان کے فلسفیوں کے راستہ کو اختیار کیا۔ خود بھی اختیار کیا۔ اور دوسری قوموں کو بھی اختیار کرنے کی تعلیم اور ترغیب دی۔ حضرت عیسیٰ ہو انجیل لے کر آئے تھے۔ اس کو

یہودیوں نے مٹانا چاہا اگرچہ ان کے پاس آزاد سلطنت نہ تھی۔
معمولی سی سلطنت روم کے ماتحت تھی انہوں نے مخبری کی کہ یہ ایسے ہیں۔
ہنگامہ برپا کیا اور موجودہ انجیل کے مطابق انہوں نے حضرت عیسیٰ کو گرفتار کرایا۔ ان کو
پھانسی کا مستحق قرار دلوایا۔ مگر مجھے یہاں اس وقت اس سے بحث نہیں ہے۔
حضرت عیسیٰ توحید کی تعلیم کے لئے دنیا میں آئے تھے۔ تثلیث وغیرہ کا عقیدہ
تھا۔ مگر ان کی تعلیم میں داخل نہ تھے۔ لیکن وہ یہودی تھے۔ جنہوں نے انجیل کو مٹایا
موجودہ عیسائیت کی تشکیل کی۔ جن کا شیوہ ہے۔ کہ جب دین حق کو اپنی نوعیت سے برباد
نہیں کر سکتے تو ساز شوں سے برباد کر دیتے ہیں۔
حضرت عیسیٰ کا سب سے بڑا مخالف سینٹ پال تھا۔ مشہور مقولہ ہے کہ
عیسائی مذہب پال کی تعلیم و تلقین سے ہے۔ حضرت عیسیٰ کا آخری وقت تک مخالف
رہا۔ لیکن حضرت عیسیٰ کے بعد اس نے دعویٰ کیا کہ میں جنگل میں سے آرہا تھا کہ ان کی
روح اتری اور اس نے کہا کہ اے پال اے پال کب تک مجھ کو تکلیف دو گے۔ اور ان کی
طرف سے بولتا ہوں تثلیث اس نے پھیلائی وہ اس سے خوش ہوا کہ اس نے حضرت
عیسیٰ کے مذہب کو خراب کر دیا۔ آپ کو معلوم ہے کہ محمد صلعم کے زمانہ میں یہودیوں
نے ہر قسم کی کوششیں کیں لڑائیاں کیں مقابلے کئے کہ اسلام کو مٹا دیں لیکن اللہ نے
ان کو ناکام کیا یہاں تک کہ خیبر تک سے ان کی حکومت ختم ہو گئی۔ اور وہ اسلام کی
ترقی کو نہیں روک سکے۔

حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں عبداللہ ابن سبا نامی یہودی ظاہر ہوا اور اس نے
فتنہ برپا کر دیا حضرت عثمانؓ کے مخالفوں کو ایک مرکز پر جمع کیا اور وہ کامیاب ہو گیا اسی
وجہ سے مسلمان آج تک دو فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ اسی کا سبب ہے۔ جو گروہ کہ
انبیاء کے لئے تھا اور ان کی دعوت کے لئے تھا۔ وہ اس کی تردید کے لئے وقف ہو گیا۔

یہود میں ایک شخص سامری نام نے بچھڑا سونے کا بنایا اور کہا کہ یہ ہمارا خدا ہے۔

مصر میں بچھڑے کی عبادت ہوتی تھی وہاں گئو ماتا پرستی تھی۔ اس لئے سامری نے سونے کا بچھڑا بنا کر کہا کہ یہ ہمارا خدا ہے۔ جب حضرت موسیٰ کوہ طور سے واپس آئے تو اس کو توڑ دیا۔ اس کے بعد محمدؐ صلعم پر قرآن پاک نازل ہوا۔ اس میں اس واقعہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا گیا ہے کہ واشربوا فی قلوبھم العجل یعنی یہود کے دلوں میں اسی وجہ سے بچھڑے کی محبت دی گئی ہے۔ جس طرح ہندوستان میں بنئے وغیرہ قسم کے بہت سی قومیں ہیں جو سود کی کاروبار کرتی ہیں۔ اسی طرح سے یورپ میں وہاں کے کاروباری بنئے یہودی ہیں۔ یہودیوں نے دنیا کے دولت روپے پیسے کو اپنی زندگی کا مقصد قرار دیا ہے۔ یہ قوم اپنے دماغی لحاظ سے بہت اونچی ہے۔ لیکن تعداد کے لحاظ سے بہت کم ہے۔ اس لئے وہ چاہتی ہے کہ دنیا کے ہر ملک میں اپنی طاقت قائم کرے۔ اور وہ اپنی دولت کی وجہ سے دنیا کے ہر ملک میں پھیل جاتی ہے بڑی سے بڑی سلطنت کو قبضہ میں کر لیتی ہے۔ مختلف زمانوں کے اندر یہ بات ثابت ہو چکی ہے۔

جن لوگوں نے افسانے پڑھے ہیں وہ جانتے ہیں کہ ایک یہودی نے بجے قرض کے بدلے میں مقروض کے جسم سے گوشت کا لوتھڑا کاٹ لیا تھا۔ عیسائی ہی اس افسانہ کا مصنف ہے اپنی خصلت کو یہ خود خوب جانتے ہیں۔ یہ اپنی دولت کی وجہ سے ساری دنیا میں پھیلے مگر جب دوسری قوموں نے ان کی حرکتوں کو دیکھا اور سمجھا کہ ان سے پیچھا چھڑانا مشکل ہے تو وہ ان کو تباہ کرنے پر تل گئیں۔

پچھلے زمانہ کا واقعہ ہے کہ جرمنی سے نکالے گئے۔ جرمنی نے کہا کہ انہوں نے غداری کی ہے۔ اتحادیوں کی فتح کے لئے اپنی قوت صرف کرتے ہیں۔ یہ ساری دنیا کو اپنی دولت کی وجہ سے زیردست بناتے ہیں۔ جب انہوں نے فلسطین حاصل کیا تو

شاید یہ سمجھتے کہ انہوں نے طاقت سے حاصل کیا لیکن واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے روپیہ کما کر حاصل کیا۔ یورپ کی سلطنتیں ان کی مقروض ہیں اس وجہ سے وہ مجبور ہیں کہ ان کی مدد کریں۔ امریکہ کی آزادی سے انہوں نے فائدہ اٹھایا کارخانہ داریاں قائم کیں۔ اس زمانہ میں ان کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ یہودیوں کے بغیر کوئی کاروبار کر سکیں۔

یورپ کی تاریخ جاننے والے جانتے ہیں کہ یورپ میں جو انقلاب پیدا ہوا۔ اس کے ہمراہ یہودیت کا ہاتھ کام کر رہا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ سب ان کی سازشوں کا نتیجہ تھا۔ کیونکہ یہ انقلاب پسند واقع ہوئے ہیں۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ایک انقلاب کے بعد شاید دوسرا انقلاب ہمارے لئے مفید ثابت ہو۔ زمانہ جنگ میں دنیا مصیبت میں مبتلا ہوتی ہے۔ لیکن ان سے تو قرض لیتی ہیں تاکہ اپنے آپ کو کامیاب کر سکیں۔

زمانہ اس قدر ترقی کر چکا ہے کہ جو آدمی آج لاہور میں ہے وہ کل فرانس میں ہو سکتا ہے۔ جو فرانس میں ہے یا کہیں ہے ایک ہفتہ میں ساری دنیا میں جا سکتا ہے۔ دنیا کے سارے بڑے بڑے کاروبار یہودیوں کے ہاتھوں انجام پا رہے ہیں۔

اشتراکیت کمیونزم جو ہے اس کا بانی مارکس یہودی تھا۔ وہی اس خیال کا بانی تھا۔ جمہوریت کا تخیل بھی انہیں کی پیداوار ہے جس میں سربراہ مملکت کا انتخاب کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔

آپ ہیڈ ماسٹر صاحب کو راضی کر لیں۔ ڈائریکٹر تعلیمات کو راضی کر لیں۔ پیر صاحب کو راضی کر لیں بس لاکھوں ووٹ آپ کو مرید دیں گے ووٹ دیں گے۔ اس کا تجربہ آپ کو لاہور کے انتخابات میں خود بھی ہوا ہوگا۔ کہ ایک کارخانہ دار کو راضی کر لینے سے کتنے ہزار مزدور آپ کو ووٹ دے دیتے ہیں۔ ووٹ دینے کے لئے آپ لاکھوں روپیہ کس طرح پیدا کر سکتے ہیں۔ اسی طرح ممکن ہے کہ ایک یہودی

کارخانہ دار کو راضی کر لینے سے بہت سا کام ہو جاتا ہے امریکہ، لندن اور بڑی بڑی جگہوں میں یورپ میں یہودیوں کے بہت بڑے بڑے کارخانے اور کاروبار ہیں۔ کسی ایک فرم کو راضی کر لیجئے لاکھوں ووٹ مل جائیں گے با اثر با اقتدار اور مالدار لوگوں کو قبضہ میں رکھا جائے تو پھر ووٹ لاکھوں کی تعداد میں حاصل ہو سکتے ہیں۔ پچھلے الیکشن میں امریکہ کے پریذیڈنٹ نے جو حتی مینیفسٹو (منشور) شائع کیا تھا اس کی ایک دفعہ یہ تھی کہ یہودیوں کے معاملات کی پوری طرح سے مدد کی جائے گی دیکھئے اگرچہ یہود بہت تھوڑی تعداد میں ہیں۔ مگر ان کو راضی کرنے کے لئے امریکہ کا صدر منشور میں یقین دلا رہا ہے کہ ان کے معاملات میں ان کی مدد کی جائے گی۔ اس سے آپ کو معلوم ہوا کہ یہودیوں کا جال ساری دنیا میں بچھا ہوا ہے۔ یہاں تک کہ امریکہ کے صدر کو بھی ان کو راضی رکھنے کی ضرورت ہے۔ جو لادینی حکومت کہلاتی ہے۔ سیکولر اسٹیٹ ہے۔

اس وقت دنیا میں تین قسم کی حکومتیں ہیں۔ بڑی حکومتیں عیسائیوں کی ہیں۔ یہ بڑی طاقتیں ہیں۔ ان کے بعد مسلمانوں کی حکومتیں ہیں۔ عیسائیوں کے دو حصے ہیں۔ ایک پروٹسٹنٹ اور دوسرا کیتھولک انگریز ملک اپنے آپ کو پروٹسٹنٹ کہتے ہیں۔ یورپ کے مغربی ممالک کیتھولک ہیں جہاں کیمونزم کا زور ہے۔ یہودی فلسطین کو اتنا بڑھانا چاہتے ہیں کہ سارے عرب کو ہضم کر لیں یہاں تک کہ حضورؐ کے زمانے میں جو خیبر وغیرہ ان کے قبضہ سے نکلا تھا اس پر بھی قبضہ کر لیں۔

یہ تینوں حکومتیں نظریوں اور عقیدوں پر قائم ہیں۔ بظاہر ان حکومتوں کی بنیاد قومیت اور وطنیت پر ہے۔ مگر حقیقت میں قومیت پر نہیں ہے۔ بلکہ ان کے اندر ایک فکری وحدت ہے نظریہ کا اتحاد ہے۔ روس میں کیمونزم کی وجہ کیا ہے۔ پہلے روس میں زار کی حکومت جو تھی وہ ترکستان سے لیکر فن لینڈ تک تھی۔ اس میں مختلف قومیں، مختلف مذہب والے تھے زار کی حکومت کلیسا کے نام پر قائم تھی۔ ساری قوموں کو کنٹرول

کے زور سے ایک شہنشاہی کا خاتمہ کیا گیا تھا۔ روس کے رہنما جو تھے۔ وہ اس بات کے
خواہش مند تھے کہ اس شہنشاہی کو زور و قوت کے بجائے کسی عقیدہ کی بناء پر قائم کیا
جائے۔ اس کے لئے ان کو مارکس کے اصول پسند آئے۔ انہوں نے ان کو قبول کیا
حالانکہ وہاں مختلف زبان کے لوگ تھے۔ مختلف مذاہب آباد تھے۔ تاہم اس نظریے کی
وحدت سے ان کے خواہش کے مطابق روسی شہنشاہیت "شہنشاہی" از سر نو قائم ہو گئی۔ اور
ان کا یہ انقلاب 1917-18ء میں کامیاب ہو گیا۔ فوج نے لڑنے سے انکار کر دیا۔
روسیوں نے اپنی قوموں کو متحد کر کے بزور شمشیر انقلاب پیدا کر دیا۔ اقتصادی نظام
کے ذریعہ انہوں نے اپنی تمام قوموں کو ایک رشتہ میں پرو دیا۔ بظاہر یہ ایک اقتصادی
نظام زندگی ہے۔ مگر حقیقت میں یہ بھی ایک مذہب ہے۔ انہوں نے ہر قوم کو آزاد ریاست
کرنے کی الگ الگ جمہوریتیں تو قائم کیں۔ ہر ایک کی اپنی زبان ہر ایک کی اپنی تہذیب
اس طرح انہوں نے روسی شہنشاہیت قائم کر دی۔ اس طرح روسی شہنشاہیت نے اپنے
لئے نیا پیغام تیار است پیدا کر لیا۔ روسی شہنشاہی کی ایک انچ زمین بھی باہر نہیں گئی۔ اور
سب باشندے بظاہر خوشی سے جمع ہو گئے۔ روسی ترکستان سے کریمیا تک سب روسی
پرچم کے نیچے جمع ہیں۔ وہاں مساجد سالمتیں قائم ہیں وہ اپنی زبان کو استعمال کرتے
ہیں۔ جو شخص چاہے نماز پڑھے جو نہ چاہے نہ پڑھے۔ بظاہر کوئی گرفت نہیں کی گئی
نمازیں تو ہو رہی ہیں۔ مگر دعوت دین اور مذہب کی تبلیغ اور دعوت کی اجازت نہیں ہے۔
انہوں نے وہی طریقہ اختیار کیا ہے جو انگریزوں نے اختیار کیا تھا ان کے یہاں بھی
ہماری طرح نوجوان پیدا ہو رہے ہیں مگر ظاہر ہے کہ وہ کس قسم کے ہوں گے۔
ہندوستان میں کانگریس نے وطنیت کا جذبہ پیش کیا۔ اس کی یہ مدح سرائی مختلف
طریقوں سے ہو رہی ہے۔ اس کی دعوت کئی طرح سے ہو رہی ہے۔ حالات ایسے ہیں
جس کی وجہ سے اس کی طرف توجہ ہو رہی ہے۔ کالجوں میں طلباء و طالبات آزادی کی

راہ پر گامزن ہیں۔ ماسکو سے ہزاروں میل دور بیٹھے پردوں کی زندگی کے خواب دیکھتے ہیں۔ وہ کلمہ پڑھتے ہیں۔ اور دوسری طرف کیمونسٹ بھی بنتے ہیں۔ حالانکہ مسلمان کو کیمونسٹ کہنا ایسا ہی ہے۔ جیسے یہودی مسلمان اور عیسائی مسلمان کیونکہ بالشوزم صرف اقتصادی نظام نہیں ہے بلکہ وہ خود ایک مستقل مذہب ہے۔ اس سے میرا مقصد یہ ہے کہ وہ ایک عقیدے میں منسلک ہیں۔ جیسے اسلام خدا کے نام پر مذہب ہے۔ یہ بے خدا کے مذہب ہیں۔ یعنی اللہ کے احکام کی، وحی کی، انبیاء کی نفی کی جائے۔ مادی فلسفہ کو فروغ دیا جائے بجائے اس کے کہ خدا کی عبادت کی جائے۔ لہٰذا مفروں کی عبادت کی جائے۔

سب سے بڑی چیز کھانا ہے پیٹ کی مار ساری دنیا کو ہے انھوں نے معقول مقصود پیٹ کو بنایا ہے۔ کیونکہ ہر انسان کو اس کی ضرورت ہے۔ انھوں نے بھی نعرہ لگایا ہے۔

اس کے مقابلہ میں سرمایہ دار قوموں نے سرمایہ دارانہ نعرہ لگایا ہے۔ ہم لوگ جو مشرقی ہیں۔ ان کے نعروں کا اعادہ کر رہے ہیں۔ ہمارے وزراء کی زبان سے بھی سنا ہو گا کہ ہم لوگوں کا معیار زندگی بڑھائیں گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو کھانے پینے کو ملے یہ سب جانئے بوجھے رٹ لگائی جا رہی ہے یہ حقیقتاً جواب ہے۔ کیمونسٹوں کے نعروں کا اہم یہ سمجھتے ہیں کہ حکومت ہمارے کھانے پینے کا انتظام کرے گی۔ ہم تو سرمایہ داروں کے جوابی نعرے کی نقالی کرتے ہیں۔ اور وہ ایسا ہے کہ بغیر سوچے سمجھے کسی قول کو دہرا دیا جائے۔ مجھے اپنے بچپن کی بات یاد آتی ہے کہ ایک دیوان میں پڑھا تھا شعر یاد نہیں جس کا مطلب یہ تھا کہ جب انسان کا ایک کام ہو جائے تو پھر اس کی ضرورت پڑتی ہے ایک کے بعد دوسری پھر تیسری چوتھی۔ اسی طرح انسان جتنا سے غرض و مطلب ہو کر رہ جاتا ہے۔ میرے استاد نے وضاحت سے مطلب یہ بتایا تھا کہ تمہارے پاس سواری نہیں ہے۔ سواری کے لئے گھوڑا خرید لیا اب ایک چیز

کے بعد دوسری چیز کی ضرورت پیدا ہوئی کہ رائے گھاس کے لیے سائیں ہو۔

اسی طرح یہ ہے کہ آپ کا معیار زندگی بڑھتا جائے گا کہ آپ کو چائے بھی بنائی جائے گی پھر میز کرسی کی ضرورت پیدا ہو جائے گی۔ اور یہ سلسلہ بڑھتا ہی رہے گا۔ انسان اگر یہ چاہے کہ ساری دنیا پا کر بھی وہ خاموش ہو جائے تو ممکن نہیں۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ انسان کے پیٹ کو قبر کی مٹی کے سوا کوئی چیز نہیں بھر سکتی۔

معیار زندگی کو بڑھانے کے لئے آپ دیکھتے ہیں کہ مل والے اسٹرائیک کرتے ہیں۔

میں امریکہ میں تھا۔ مل کے مزدوروں نے اسٹرائیک کیا اور عوام سے چاہا کہ مدد کریں تو عوام نے کہا کہ ہم تمہاری مدد کر کے کیا کریں گے جو لقمہ آپ کو آج ملتا ہے وہ کل ساڑھے چار آنے بڑھ جائے گا۔

اگر آٹھ روپے روز ملتے ہیں اور پھر سولہ ملنے لگیں تو بھی وہ بچے بیوی بچوں کو لے جا کر نہ دیں گے بلکہ اب اگر ہفتہ میں دو مرتبہ سینما دیکھتے ہیں تو پھر چار مرتبہ دیکھنے لگیں گے اگر پہلے دس پیالی چائے روز پیتے تھے تو پھر بیس پینے لگیں گے گھر لے جا کر نہیں دیں گے تجربہ اس کا شاہد ہے۔

میرا مقصد یہ ہے کہ یہ جو نعرہ لگایا جاتا ہے کہ بالشویک حکومت نے زمین کا مالک کاشتکاروں کو بنا دیا ہے بالکل غلط ہے وہاں تو یہ ہے کہ جتنا غلہ پیدا ہو وہ سب حکومت کا ہے۔ بیچارے لوگ بھوکے مریں۔

اور ہمارے ہندوستانی اور پاکستانی نوجوان یہیں سے بیٹھے ہوئے "ارض ماسکو" کو سلام بھیجتے ہیں۔

ایک کتاب جو انگریزی سے اردو میں ترجمہ ہوئی ہے۔ اس کو لکھنے والا روسی

ہے۔ روسی سفارت خانہ کے ساتھ امریکہ بھیجا گیا ہے۔ وہاں جا کر وہ روسیوں کا ساتھ چھوڑ کر امریکی ہو گیا اور اس نے انگریزی میں کتاب لکھی ہے۔ اس کی کتاب سے ظاہر ہوتا ہے کہ کاشتکاروں پر کتنا ظلم روس میں ہو رہا ہے وہاں یہ قاعدہ ہے کہ سارا غلہ حکومت کے پاس جمع کیا جائے اور کسی کو نہ دیا جائے ایک تولہ بھی کم نہ ہو چاہے لوگ بھو کے مرتے رہیں۔ اور حیرت انگیز قصے بیان کئے ہیں۔

اقبال رحمت اللہ علیہ شاعر اسلام سمجھے جاتے ہیں۔ ان کے کلام کے اندر یہ چیزیں ہیں۔

سلطانی جمہور کا آتا ہے زمانہ
جو نقش کہن تم کو نظر آئے مٹادو

کیا یہی وہ اقبال ہیں جو اسلام کا گانا گاتے ہیں۔ پاکستان میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ بالشویک ازم کی تعریف میں قصائد لکھتے ہیں۔

انقلاب۔ اشتراکیت۔ کسان، مزدور، عرق پسینہ کا ذکر کرتے ہیں یہ نیا ادب ہے۔

میں نے ایک مشاعرہ میں اس قسم کی نظم سن کر یہ کہا تھا کہ آپ لوگ پرانے شاعروں پر تو اعتراض کرتے تھے کہ حسن و عشق گل و بلبل کی رٹ لگاتے ہیں تم نے نئے الفاظ گھڑ لئے ہیں۔ انقلاب، مزدور، کسان، مزدور کی لڑکی تم مزدوروں کی مدد نہیں کرتے بلکہ اپنی لیڈری چاہتے ہو۔ مسلمان حکومتوں میں اشتراکیت کا پرچار کیا جاتا ہے۔

ایک اخبار یہاں سے نکلتا ہے۔ کبھی کبھی پڑھنے کا اتفاق ہوتا ہے پہلے صفحہ پر تو کلمہ لا الہ الا اللہ ہوتا ہے۔ مگر دوسرے صفحہ پر بالشویک کا قصیدہ، یہ کیا تضاد ہے جو اخباروں میں نظر آتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایمان تو مسلمان ہو مگر دوسری چیز پر

لاتے ہیں۔ لیکن اخباروں کو بیچنے کے لئے دوسرا طریقہ بھی اختیار کرتے ہیں۔

بالشویک نے اشتراکی نظام اپنے پیٹ کو دیکھ کر بنایا ہے مارکس کی کتاب ان کا صحیفہ ہے۔ سرمایہ داروں نے اقوام متحدہ بنائی ہے۔ اتحادیوں کا منشور جو ہے۔ وہ ان کا صحیفہ ہے مگر عمل کے لئے نہ وہ عمل کرتے ہیں۔ نہ یہ کرتے ہیں لیکن آوازیں لگاتے ہیں۔ نعرے لگاتے ہیں مگر مسلمانوں کو دیکھو تو معلوم ہوتا ہے کہ نہ ان کا کوئی نعرہ ہے نہ کوئی دعوت ہے۔ نہ صحیفہ ہے اسلامی ملکوں کا زیادہ حصہ اتحادیوں کے قبضہ میں ہے۔ انہوں نے اقوام متحدہ کے منشور پر بھی دستخط کر دیے ہیں اور اسلام کا قرآن بھی دیکھتے ہیں۔ چاہے اس میں مصر ہو۔ چاہے شام ہو چاہے انڈونیشیا ہو۔ ہندوستان ہو یا پاکستان ہو ہر جگہ یہ تضاد ہے۔

میں نے انگریزی کا ایک اخبار پڑھا تھا۔ پاکستان آنے سے پہلے اس میں پاکستان کے متعلق لکھا تھا کہ پاکستان عجیب تذبذب میں پڑا ہے۔

ایک طرف تو وہ اسلامی دستور بنانا چاہتا ہے۔ دوسری طرف برٹش پارلیمنٹ کے طریقہ کی نقل کرنا چاہتا ہے۔ اور دونوں کو جمع کرنا بڑا مشکل ہے کہ اس سے عہدہ برآ ہونا ناممکن ہے اس سے معلوم ہوا کہ انگریز دماغ بھی اس تضاد پر غور کرتا ہے۔ مسلمانوں کی حکومتیں جو دنیا میں ہیں۔ اسی الجھاؤ میں مبتلا ہیں۔

کیونکہ دماغ مسلمان ہے۔ اس نے اسلام کو نہیں چھوڑ سکتے ہیں۔ لیکن وزارت اور حکومت جمہوریت پر عقیدہ رکھتے ہیں دونوں کے بیچ یہ ملغوبہ فکر کا باعث بنا ہوا ہے۔ حالانکہ جس طرح بالشویکوں اور اتحادیوں نے اپنے اپنے الگ نظریے اور نظام قائم کر لئے ہیں اور اس میں یہ نہیں دیکھا کہ یہ کس کے خلاف اور کس کے موافق ہے۔ اسلامی حکومتیں بھی اس طرح کامیاب ہو سکتی ہیں کہ بغیر یہ سوچے ہوئے کہ دوسرے کیا عقیدہ رکھتے ہیں۔ سادہ نظام ہدایت جو محمد صلعم نے پیش کیا ہے اس کو قبول کریں اور

پوری طرح سے عمل کریں۔

بالشویک نے فرانس کو خوش کرنے کی کوشش نہیں کی اتحادی اقوام نے منشور بنایا تو انہوں نے یہ کوشش نہیں کی کہ اس سے بالشویک خوش ہو جائیں۔

اس سے ظاہر ہے کہ ایک دوسرے کے نظریئے کو خوش نہیں کر سکتا۔ جب تک ہم تضاد کی زندگی سے باہر نہیں آجائیں گے۔ ہم اپنے نظام کو اپنی ملت کے مطابق نہیں بنا سکتے۔

حضرات آپ سب کو معلوم ہے کہ اسلام کی بنیاد حکم پر ہے۔ اور اس وقت دنیا کی ہر چیز انقلاب پذیر ہے تغیر پذیر ہے۔ دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جہاں تغیر نہ ہو رہا ہو۔

بالشویک نے پیٹ کو قبلہ بنایا ہے یہ بھی بدل سکتا ہے کہ ہم نے جتنا پیٹ پیٹ پکارا اتنا ہی دنیا کا حال خراب ہو رہا ہے۔

بالشویکوں نے پیٹ کی پکار شروع کی تو دنیا میں غلہ کا کال پڑ گیا۔ ہر جگہ غذا کی وزارتیں قائم کی گئیں۔ یورپ کی قوموں کی تواریخ کو ایشیاء کی تاریخ کو مصر یونان اور مسلمانوں کی تواریخ کو پڑھ ڈالو کہیں وزیر غذا کا پتہ نہیں چلے گا دنیا نے پیٹ پیٹ پکارا اور جو عقیدہ وپیٹ کا رکھتے تھے وہ سب اس میں جتلا ہو گئے۔ غلہ دنیا سے کم ہو تا جا رہا ہے ساری دنیا پر پیٹ چھا گیا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے آپ کو رازق کہا ہے۔ لیکن آج کا فلسفہ یہ ہے کہ حکومت کے ہاتھوں میں رزق ہے (ومامن دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقہا کی جگہ علی الحکومۃ رزقہا) کی پکار ہے۔

ہندوستان کے غلہ کی حالت آپ کو معلوم ہے اور انگریز کے زمانہ میں غلہ کی کیا حالت تھی۔ جیسے جیسے پیٹ پیٹ پکارا جانے لگا۔ زمین کی برکت غائب ہو گئی۔ جو کوشش کی جاتی ہے الٹی پڑتی ہے۔

حضرات۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ جو نظریہ اور نظام محمد صلعم کے ذریعے آیا ہے اس کو اپنائیں۔ اور اس پر عمل کریں۔ کیا عجب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے سے دوسری قوموں کو بھی ہدایت عطا فرمائے۔

ہمارے یہاں حضرت عمرؓ کے زمانہ میں قحط پڑا تھا۔ مدینہ طیبہ میں اس کو عام رمادہ کہتے ہیں حضرت عمرؓ نے اس دوران کا کھانا ترک کیا تھا انہوں نے سالن چھوڑ دیا۔

اس کے بعد مصر کے گورنر (عمرو بن العاص) کو حضرت عمرؓ نے غلہ کے لئے خط لکھا انہوں نے غلہ بھیجا۔ اور لکھا کہ میں غلہ بھیج رہا ہوں اتنا غلہ بھیجتا ہوں کہ قطار کا ایک اونٹ مدینہ طیبہ میں ہو گا اور اس کا آخری اونٹ مصر میں۔ دیکھئے انتظام اس کا نام ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (فی السماء رزقکم وما توعدون) کہ آسمانوں میں تمہارا رزق ہے۔ زمین تو بے شک آپ کے پاس ہے آپ زمین کو قابل کاشت بنا سکتے؟ لیکن پیدا کرنے کی طاقت نہ آپ میں نہ کسی بادشاہ میں آپ کو معلوم ہو گا کہ ہندوستان کے اندر بہت سی زمینیں قابل کاشت بنائی گئیں۔ مگر غلہ میں کمی ہو گئی یہ کام اللہ تعالیٰ کا ہے وہ خوب جانتا ہے کہ کس طرح سے کیا جائے۔ ہو سکتا ہے کہ عقل اور سائنس سے غلہ کی پیداوار بڑھا لیں مگر یہ عقل کا بیج دماغ میں ڈالنے والا بھی تو وہی ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

ٹریکٹر سے پہلے ایک آدمی بیلوں سے کاشت کرتا تھا لیکن اب ٹریکٹر کے لئے سارے گاؤں کو جمع کرنا ہوتا ہے اس پر ہندوستان میں بیکار روپے صرف ہوا۔ غلہ سے روزگار ملے کوئی آگے نہیں بڑھ سکتا۔ یہ فریب کے سوائے کچھ بھی نہیں ہے۔
حضرات اسلام نے جس نظریہ کو پیدا فرمایا ہے وہ ہماری قسمت ہے جو نظریہ اور طریقہ

سے پیدا کیا جاسکتا ہے وہ دو چار سال کے بعد بیکار ہو جائے گا لیکن اسلام کا جو رشتہ ہے وہ ناقابل تبدیل ہے۔ ایک دینی ملت کی بنیاد دائمی نظریہ پر قائم کی جا سکتی ہے۔ اسلام کی بنیاد اللہ کی توحید انبیاء کی سچائی ان کی کتابوں کی صداقت اور انسانوں کے صحیح عمل پر ہے۔ اسلام یہ ہے کہ اللہ ایک ہے۔ انبیاء کی تصدیق کیجئے محمد صلعم کو خاتم النبیین مانا جائے۔ اور اللہ کے فرشتوں کو کتابوں کو مانا جائے ان سب پر ایمان لایا جائے اعمال کی جزا اور سزا ملے گی۔ اس پر یقین رکھیے دوزخ اور جنت میں جانا ہوگا۔ اس پر ایمان رکھو انسان نے اپنی بنیاد اسی پر رکھی ہے۔ امت محمدیہ آخری امت اور ملت ہے۔ اس لئے جو نظام ہدایت باری تعالیٰ نے مکمل اور دوامی بنا کر بھیجا ہے۔ دنیا کی ساری چیزیں بدل سکتی ہیں۔ لیکن اللہ ایک ہے انبیاء سچے ہیں اللہ خالق حقیقی ہے کبھی نہیں بدل سکتیں یہ کبھی کم بھی نہیں ہو سکتیں۔ دنیا کا کوئی مادی نظریہ آپ کے اندر خیر پیدا نہیں کر سکتا نیکی اور خیر کا جذبہ تو اس وقت پیدا ہوگا جب اللہ کے بتائے ہوئے اور رسول صلعم کے لائے ہوئے راستہ پر چلو گے۔ جب تک اسلام کے راستہ پر مسلمان چلے آفات و مصائب سے محفوظ رہے اور جب سے مادہ پرستی کا دور شروع ہوا قومیت کی بنیاد پڑی۔ پیٹ کا سوال پیدا ہوا بدکاری تعصب حق فروشی بددیانتی شروع ہو گئی اور ابھی کیا ہے۔ ابھی تو آغاز ہے مجھ کو لاہور کا حال تو معلوم نہیں ہے کراچی کا معلوم ہے کہ آج فلاں عورت اغوا ہو گئی ہے۔ ابھی آغاز ہے فحاشی اور بدکاری کا عام ہے پھر اس کا نتیجہ کیا ہوگا (لاہور اور پشاور میں بھی ایسا ہی ہے) یورپ کے متعلق سمجھا جاتا ہے کہ وہاں جمہوریت ہے لیکن کیا جمہوریت نے وہاں کے اخلاق بلند کر دیے ہیں؟

کیا ان کے اخلاق بلند ہیں۔ وہ گرے ہیں۔ کیا وہ اپنے اندر روحانی نور پیدا کر سکے۔ یہ نظریہ روح کو اور اخلاق کو بلند نہیں کرتا یہ دنیا کی تمناؤں کو بلند کرتا ہے بے ایمانی اور بدکاری کو اضافہ کرتا ہے بات سمجھ سکتے ہیں تجربہ ہو چکا ہے۔ ہر قسم کے دور میں

سے گزری لیکن اتنی عریانی فحاشی، بدکاری سامنے نہیں آئی جتنی آج ہے۔ آج اخباروں میں رسالوں میں، شعروں میں۔ سینماؤں میں، ہوٹلوں میں، کلبوں میں جہاں دیکھئے بجز ترغیبات جنسیہ کے کچھ نہیں۔

خواتین کے جلسے ہوتے ہیں۔ ان کا نتیجہ بھی بجز فواحش کی نمائش کے کچھ نہیں۔ یہاں کنواریوں کا ایک کلب بنایا جارہا ہے یہ لڑکیاں عمر بھر نکاح نہیں کریں گی۔ راولپنڈی سے کنواروں کے کلب کی بارات آئے گی۔ اس گمراہی کا کیا نتیجہ ہوگا۔ مسلمانوں نے اپنے نظریہ، عقیدے، ہدایت کو چھوڑ دیا اور دوسروں کے اختیار کر لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر لینن اور اسٹالن کی امامت پر ایمان لایا جارہا ہے میں اپنی تقریر کے آخر میں ایک سوال کرتا ہوں کہ ہر مسلمان نماز پڑھتا ہے۔ کیا وہ سورۃ فاتحہ نہیں پڑھتا ہے آپ کی زبان تو یہ کہتی ہے کہ اے خدا اس کو یہودیوں کے راستہ پر نہیں عیسائیوں کے راستہ پر نہیں۔ بعد انبیاء کے محمد رسول اللہ کے راستہ پر چلا لیکن عمل آپ کا کیا ہے؟

نوجوانوں کی وضع قطع دیکھئے اخلاق عادات دیکھئے کیا وہ انبیاء کرام کے راستہ پر چلیں یا یہودیوں کے اور نصاریٰ کے راستہ پر چلیں۔

ان کا قبلہ وکعبہ بیت الحرم ہے۔ انگریزی تمدن اور یورپ ہے۔

ہم نماز پڑھتے ہیں۔ اور دعویٰ مسلمان کا کرتے ہیں۔ مگر طریقے یہودیوں اور عیسائیوں کے پسند ہیں۔ یہ کب ایمان وعمل کا تقاضہ ہے۔

# رسولِ وحدت

دوست اور دشمن، موافق اور مخالف سب کو تسلیم ہے کہ پیغمبر اسلام علیہ السلام کی سب سے پہلی اور آخری خصوصیت توحید کی تعلیم ہے۔ مگر اب تک اس توحید کے عقدہ کو ایک خاص اصطلاح میں استعمال کیا گیا ہے۔ یعنی یہ کہ آپ نے خدائے تعالیٰ کی وحدت کی کامل تعلیم لوگوں کے سامنے پیش کی۔ لیکن آئیے آج ہم اس لفظ کو تحلیل کریں اور دیکھیں کہ آپ نے وحدت کی تعلیم کس کس رنگ سے پیش کی اور کس کس پہلو سے مکمل کی ہے۔

## وحدتِ الٰہی

دنیائے وجود کا سب سے بڑا طلسم، وحدت و کثرت کی نیرنگی ہے۔ ہم کو بظاہر ہر طرف کثرت ہی کی نیرنگیاں نظر آتی ہیں۔ ظاہر بین نگاہیں کثرت کی انہیں نیرنگیوں میں الجھ کر اور واحد کو کثیر سمجھ کر موحد سے مشرک بن جاتی ہے مگر حقیقت شناس نگاہیں کثرت کے رنگا رنگ پردوں کے پیچھے وحدت کا جلوہ دیکھ لیتی ہیں۔ دیکھنے والوں کو آسمان، زمین، پہاڑ، جنگل، دریا نظر آتے ہیں۔ پھر آسمان میں آفتاب، ماہتاب، سیع سیارہ اور دوسرے ستارے دکھائی دیتے ہیں، زمین میں انسان، حیوان، درخت، پہاڑوں میں چٹانیں اور غار، دریاؤں میں روانی، میرابی اور موجیں نظر آتی ہیں، تو انسانوں نے ان سب کو کثرت کی جلوہ انگیزیاں سمجھ کر ان میں سے ہر ایک کو اپنا جدا جدا معبود بنا لیا، کسی نے آفتاب کی پوجا کی، کسی نے ماہتاب کو، کسی نے دریا کو اور کسی نے پہاڑ کو لیکن موحد اعظم کی نگاہوں نے ان کثرتوں کے پیچھے وحدت کا جلوہ دیکھا اور پکار اٹھا کہ میں ان کے نہیں بلکہ ان سب کے ایک اور تنہا خالق کے آگے سر جھکاتا ہوں۔

انی وجہت وجھی للذی فطر السمٰوٰت والارض حنیفا وما انا من المشرکین۔

میں نے اپنا منہ ان سب کی طرف سے پھیر کر اس کی طرف کیا جو ان آسمانوں اور زمین کا خالق ہے، موحد بن کر اور میں دوسروں کو خدا کے برابر کا ماننے والا نہیں ہوں۔

دنیا کے سارے علوم، فنون اور فلسفہ و سائنس کی تمام شاخوں کی پوری کوششیں اور تحقیقیں صرف اسی ایک اصل کی فرع ہیں کہ ان رنگا رنگ کثرتوں میں وحدت کی تلاش کی جائے اور اس ایک منبع کا پتہ چلایا جائے۔ جس کی تمام کوششیں اور اور تجربے جس جس علم و فن میں جس حد تک حقیقت کی منزل قریب ہوتی جاتی ہے وحدت کا چہرہ نمایاں سے نمایاں تر ہوتا جاتا ہے۔

عہد جاہلیت میں انسان ہر کام کا الگ الگ دیوتا مانتا تھا اور سمجھتا تھا۔ دنیا کے تمام افراد اور قوت کا تعلق علیحدہ علیحدہ فاعلوں اور موثروں سے ہے۔ وہ دونوں سب کو پوجتا تھا۔ بارش کا الگ خدا تھا۔ جو ہر جاندار کا ایک الگ دیوتا تھا جس کی پرستش ہوتی تھی۔ جنگ کا الگ، حسن کا الگ، قحط کا الگ، پیداوار کا الگ، علم کا الگ، خیر کا الگ اور شر کا الگ۔ ایک ایک دیوتا تھا لیکن اس سے پہلے کہ سائنس اس باطل کا انکار کرے دین حق نے اس کے تردید و تغیر دی اور تعلیم دی کہ وہ ایک ہی ہے جو آسمان سے زمین تک سب پر فرمانروا ہے اور ایک ہی حکم ہے جو عرش سے فرش تک جاری ہے۔

| | |
|---|---|
| وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَٰهٌ | اور وہی ایک ہے جو آسمان میں اور وہی |
| وَفِي الْأَرْضِ إِلَٰهٌ (زخرف) | ایک ہے جو زمین میں فرمانروا ہے۔ |

یہی وہ حقیقت ہے جو توحید کا مغز و جوہر ہے۔ صلح و جنگ، دولت و افلاس راحت و زحمت، کامیابی، ناکامی، غرض دنیا کے ہر کام اور ہر شے کا تعلق اسی ایک ذات سے ہے۔ جو وحدہٗ لاشریک ہے۔

اس عقیدہ نے دیوتاؤں، دیویوں، ستاروں، فرشتوں، پیغمبروں، ولیوں اور شہیدوں کی خدائی کے اختیارات کا خاتمہ کر کے آسمان و زمین میں صرف ایک شہنشاہی قائم کی اور تمام عالم کو ایک نظام ربانی کے تحت آنے کی دعوت دی۔ دنیا کے مختلف

مذاہب کو لیکر جو انبیائے کرام علیہم السلام مبعوث ہوئے وہ اسی سب سے بڑی حقیقت کو لیکر آئے مگر افسوس ہے کہ یہ حقیقت پوری طرح واشگاف ہو کر لوگوں کے سامنے نہیں آئی اور جن کے سامنے آئی وہ بھی اس کو بھلاتے رہے آخر دنیا کو دنیا کے آخری پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار رہا کہ آپ کی بعثت اس حقیقت کو اس وضاحت اور شرح و تفصیل اور تکمیل کے ساتھ پیش کرے کہ دنیا اس کو قبول کرکے پھر بھلا نہ سکے۔

چنانچہ توحید یا وحدت الٰہی کی تعلیم جس تفصیل اور تشریح کے ساتھ آپ نے دی وہ آپ کی تعلیم کی امتیازی خصوصیت بن گئی ہے۔ آپ نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے لحاظ سے بھی واحد ہے اور اپنی صفات کاملہ کے لحاظ سے بھی واحد و منفرد ہے اور اپنی عبادتوں کے لحاظ سے بھی غیر شریک ہے۔ وہ نہ ۳۳ کروڑ صفات کے جلووں میں ۳۳ کروڑ ہے اور نہ تین اقانیم میں منقسم ہو کر واحد ہے اور نہ وہ دو متضاد احوال کی بنا پر دو ہے بلکہ وہ ایک واحد منفرد منفرد اور غیر شریک ہے نہ کسی پیغمبر کو یہ قدرت ہے کہ وہ اس کی الوہیت میں ذرہ برابر شریک ہو سکے اور نہ کسی نمرود و فرعون یا کسریٰ و قیصر اور مہاراج کو یہ اختیار ہے کہ وہ اس کی شہنشاہی اور ربوبیت میں شرکت کا دعویٰ کرکے انا ربکم الاعلیٰ کی آواز کی بلند کر سکے۔

## سب کا ایک خدا

لیکن توحید کی تکمیل ابھی ایک اور قدم کی محتاج تھی اور وہ یہ تعلیم تھی کہ وہ واحد منفرد جو ہمارا خدا ہے جس طرح وہ اپنی ذات و صفات و عبادات میں واحد منفرد ہے۔ اسی طرح اپنے تعلق کے لحاظ سے بھی منفرد ہے یعنی یہ کہ وہی جو ہمارا ایک خدا ہے وہی ہر ذرہ سے لیکر آفتاب تک ہر ایک کا واحد خالق و مالک ہے۔ کیڑے مکوڑے پھول پودے حیوان اور انسان سب اسی کی مخلوق اور محکوم ہیں تمام کائنات اسی ایک کے قبضہ

قدرت میں ہے پست و بلند نشیب و فراز اور فرش و عرش سب اسی ایک کے زیر فرمان ہیں۔

## وحدت کی غلط تعبیریں

بہت سی قوموں نے اس کو ایسا مانا تھا کہ وہ انہیں کا ہے دوسروں کا نہیں۔ انہوں نے انسانوں کے اندر پستی و بلندی اور شرافت و رذالت کے درجے اور مرتبے قائم کر کے یہ یقین پیدا کر لیا تھا کہ وہ صرف بلند و شریف انسانوں کے طبقہ کا واحد خدا ہے اور یہ پست و ذلیل مخلوقات اس قابل نہیں کہ وہ اس سے تعلق کی نسبت رکھ سکیں۔ وہ گو ایک خدا تھا۔ مگر صرف ایک خاندان یا کسی ایک قوم یا کسی ایک مذہب کا خدا و دوسروں کا نہیں۔ چنانچہ سپید رنگ شریف نسل آریہ اس کو صرف اپنے ہی لئے خاص سمجھتے تھے اور پھر وہ بھی ایرانی اور آریہ ورت کے رہنے والوں میں منقسم ہو کر اس طرح دو ہو گئے تھے کہ ان میں سے ہر ایک کو جائے خود یہ دعویٰ تھا کہ خدا تعالیٰ کی بندگی کے صرف وہی اہل ہیں انتہا یہ کہ اگر ایک (آریہ) کے یہاں لفظ دیوتا الوہیت اور خدائی معنی دیتا ہے تو وہی لفظ دوسرے (ایرانی) کے یہاں بصورت دیو جن و شیطان کے معنی رکھتا ہے اس سے بھی آگے بڑھ کر یہ کہ ہندوستان کے دو حصوں شمالی اور جنوبی میں شیو اور وشنو جو دونوں خالق و قیوم کے معنوں میں ایک ہی ذات پاک پر دلالت کرتے ہیں وہ ہندوؤں کے دو حصے کر دیتے ہیں' ایک شیو کو پوجنے والے اور دوسرے وشنو کے ماننے والے۔

پاک نژادان ایران کا اہور مزد لونکا خدا تھا مگر ہندو آریوں میں وہ سورج سے زیادہ نہیں' ہندو آریوں میں سے برہمنوں نے اپنا وہ خدا مانا جو صرف انہیں کا خدا تھا۔ جس نے اپنے منہ سے ان کو پیدا کیا اور دوسری ہندو قوموں کو اپنے بازوؤں اور ٹانگوں سے۔

حامیوں کا خدا صرف انھیں کا تھا بلکہ بنی اسرائیل کے نزدیک وہ خاص ان کے خاندان کا تھا خداوند میرے خاوند ابراہیم کا خدا۔ پید ۲۴۔ ۲۷

اے میرے باپ ابراہام کے خدا اور میرے باپ
اضحاق کے خدا' پید ۳۲۔ ۹

میں تیرے باپ کا خدا اور ابراہام کا خدا اور اسحاق کا خدا اور یعقوب کا خدا ہوں۔ خروج ۳۔ ۵

پھر خدا نے موسیٰ سے کہا کہ تو بنی اسرائیل سے یوں کہیو کہ خداوند تمہارے باپ کے خدا ابراہام کے خدا اور اسحاق کے خدا اور یعقوب کے خدا نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے۔ خروج ۳۔ ۱۵

میرے باپ کا خدا ابراہام کا معبود اسحاق کا معبود
پید ۳۱۔ ۱۵

اور انھیں کہہ کہ خداوند تمہارے باپ کا خدا ابراہام اور اسحاق اور یعقوب کا خدا یوں کہتا ہوا مجھے دکھائی دیا ۱۶

خداوند اسرائیل کا خدا یوں فرماتا ہے کہ تو میرے لوگوں کو جانے دے۔ خروج ۵۔ ۱

فرعون نے کہا کہ خداوند کون ہے کہ میں اس کی آواز سنوں کہ بنی اسرائیل کو جانے دوں' میں خداوند کو نہیں جانتا'....... تب انھوں نے کہا کہ عبرانیوں کے خدا نے ہم سے ملاقات کی۔ ۱۷

اور اسے کہیو کہ خداوند عبرانیوں کے خدا نے میرے تئیں بھیجا ہے کہ اور کہتا ہے کہ میرے لوگوں کو جانے دے۔ ۱۹

وہ میرے باپ کا خدا ہے (خروج ۱۵۔ ۲)

اس طرز ادا کی وجہ یہ ہے کہ اس قدیم زمانے میں خدا کے

بزرگی کی پرستش صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہی میں منحصر تھی یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے بھی حضرت یعقوب کے سوال پر ان کے بیٹوں کی زبان سے اسی قسم کے فقرے ادا کئے ہیں۔

نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ (بقرۃ)

ہم آپ کے خدا اور آپ کے باپ دادوں ابراہیم اور اسحٰق کے خدا کی عبادت کریں گے

لیکن بنی اسرائیل نے غلطی سے یہ سمجھ لیا کہ یہ خدا انہی کا خدا ہے جس میں دنیا کی کوئی قوم ان کی شریک نہیں اور وہ ان کا خاندانی خدا ہے۔

عیسائیوں کا خدا عیسیٰ کا باپ تھا مگر اس باپ کے کنبے میں ان کے سوا کوئی دوسرا شریک نہ تھا ابراہیم اور اسحٰق والا خدا یہاں آ کر صرف کنواری ماں کے بچے کا باپ رہ گیا ہے جیسا کہ انجیل میں بار بار آیا میرا باپ جو آسمان میں ہے۔

# پیغمبر اسلام علیہ السلام کی تعلیم

یہ تھا اس خدائے واحد کا تخیل جو قوموں اور خاندانوں اور شخصیتوں کا خدا بن کر محدود سمجھ لیا گیا تھا اس کے بعد خاتم الانبیاء علیہ السلام کی بعثت ہوئی۔ آپ کی تعلیم نے جہاں وحدت ربانی کے دوسرے پہلوؤں کی تکمیل کی اس وحدت کے مفہوم کو بھی مکمل کیا اور بتایا کہ وہ ایک ہی خدا ہے جو برہما بھی ہے مہیش بھی وشنو بھی ہے اور شیو بھی یعنی خالق بھی ہے قیوم بھی زندہ کرنے والا بھی ہے اور مارنے والا بھی اندر بھی وہی ہے اور وہی ہے اور جلاتا ہے وہ کالے گورے آریائی اور سامی ایرانی اور تورانی ہندی

اور عربی، اسرائیلی اور اسماعیلی، موسوی اور عیسوی ہندو اور مسلمان بلکہ زاہد شب زندہ دار اور فاسق گنہگار سب کا یکساں خدا ہے اور سب اس کے دربار کے یکساں بندے ہیں، برہمن ہو کہ شودر یہودی ہو کہ مجوسی مختون تثلیث پرست ہو کہ موحد آقا ہو غلام، اونچا ہو یا نیچا، بندہ ہونے کی حیثیت سے سب اس کے سامنے ایک ہی درجہ رکھتے ہیں۔

مسلمانوں کو ان کے خدا کی طرف سے یہ حکم ہوتا ہے کہ تم دوسرے مذہب والوں سے کہہ دو اِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ

سب اسی کے بندے ہیں اور وہی ایک سب کا خالق، مالک اور مربی و معبود ہے۔ یہاں کوئی محمد (صلعم) کا خاص خدا نہیں، قریش کا خدا نہیں، عرب کا خدا نہیں، مسلمانوں کا خدا نہیں بلکہ کل دنیا کا ایک خدا ہے ایک وحدت ربانی ہے جس میں کل بندگان الٰہی باہم یکساں شریک ہیں۔ وہ سب اس کے بندے ہیں اور وہ ایک ان سب کا خدا ہے قرآن کی سب سے پہلی سورۃ کی سب سے پہلی دعا اور اس دعا کا سب سے پہلا فقرہ جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سب کو سکھایا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ساری خوبیاں اس ایک خدا کی ہیں جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے ایک ہی ربوبیت ہے جس میں نہ صرف کل دنیا بلکہ کل دنیاؤں کی ساری مخلوقات یکساں شریک ہیں اور اس لحاظ سے محمد رسول اللہ صلعم کی تعلیم نے ان تمام تفرقوں کو مٹا دیا جو ایک خدا کے ماننے کے باوجود دنیا کی قوموں اور خاندانوں کو مختلف خداؤں میں تقسیم کر دیتے تھے اور بتا دیا کہ ہم سب کے سب ایک خدائے واحد کے بندے ہونے کی حیثیت سے باہم بھائی بھائی ہیں سید ہوں کہ شیخ، پرانے خاندانی مسلمان ہوں کہ نو مسلم برہمن ہوں کہ چمار یورپین ہوں کہ ایشیائی سب ایک ہی آقا کے غلام اور ہم خواجہ تاش ہیں۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ مَلِكِ النَّاسِ اِلٰهِ النَّاسِ

سارے انسانوں کا پروردگار سب انسانوں کا بادشاہ اور سب انسانوں کا خدا۔

یہ وہ وحدت ربانی ہے جس کا جلوہ محمد رسول اللہ صلعم کے ذریعہ ہم نے دیکھا اور وہ حقیقت ہے جس کو آپ کی تلقین سے ہم نے سمجھا یعنی یہ کہ وہ ایک ہی شہنشاہ مطلق اور رب العباد ہے جس کی ربوبیت میں تمام مخلوقات ارضی و سماوی ' انسانی و حیوانی اور تمام دنیا کے خاندان اور نسلیں ' قومیں اور ملتیں برابر کی شریک ہیں فرمایا۔

اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ۔

بیشک یہ تم سب کی امت ایک ہی امت ہے اور میں تم سب کا پروردگار ہوں تو تم سب میرا ادب لحاظ کرو

یہ وہ بلند تخیل ہے جس نے نہ صرف عرب و عجم ' ترک و تاجیک ' زنگ و فرنگ ' ہندو سندھ ' روم و تاتار ' یورپ و ایشیاء سب کو ایک ربوبیت واحدہ اور ایک اخوت عامہ میں مربوط و منسلک کر دیا بلکہ انسانوں اور حیوانوں کو بھی ایک پروردگار کے سامنے سر نگوں کر کے انسانوں کو حیوانوں کی خدمت اور حیوانوں کو انسانوں کی خدمت کا سبق پڑھایا۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ یَّطِیْرُ بِجَنَاحَیْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ (انعام)۔

نہ تو کوئی زمین میں رینگنے والا جانور ہے اور نہ کوئی پرندہ ہے جو اپنے دو بازؤں سے اڑتا ہے جن و تمہاری ہی طرح امت ہے۔

# وحدت رسالت

وحدت الٰہی کے بعد وحدت رسالت ہے اور اس سلسلہ میں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ جو اصلاح ہوئی۔ جو غلط فہمیاں دور ہوئیں اور جو باتیں تکمیل منصب نبوت سے متعلق پیش فرمائیں ان کو ذرا تفصیل سے سننے کی ضرورت ہے۔

## تخصیص کا ابطال

سب سے بڑی غلطی جو دوسری قوموں سے اس مسئلہ کے متعلق سرزد ہوئی وہ یہ تھی کہ نبوت کو خاص خاص خاندانوں اور قوموں میں محدود اور مخصوص کر دیا گیا تھا آریہ ورت کے ہندو کہتے تھے کہ خدا کی بولی صرف بھیں کے رشیوں اور منیوں نے سنی اور وہ صرف وید کے اوراق میں محفوظ ہے زردشت والے ایرانیوں کے علاوہ سب کو یزدان کے جلوہ نورانی سے محروم خیال کرتے تھے۔ یہود اسرائیل نے اپنے سوا کہیں اور کسی نبی یا رسول کی بعثت کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ عیسائی صرف اپنے آپ کو خدا کی فرزندی کا مستحق سمجھتے تھے لیکن اسلام نے اس تخصیص کو خدا کی شان رحمت اور عدل وانصاف کے منافی تصور کیا اور قرآن مجید نے متعدد آیتوں میں اس کی تردید کی۔ ایک یہودی حضرت موسیٰ کے سوا سب پیغمبروں کا انکار کر سکتا ہے ایک عیسائی حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا مان کر عیسائی رہ سکتا ہے ایک ہندو تمام دنیا کو شودر کہہ کر بھی پکا ہندو ہو سکتا ہے ایک زردشتی حضرت ابراہیم حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کی تکذیب کر کے بھی دینداری کا دعویٰ کر سکتا ہے لیکن ایک مسلمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ جب تک تمام پیغمبروں کو تسلیم نہ کرے مسلمان نہیں ہو سکتا۔ تنگ خیالی کا دائرہ صرف یہیں تک محدود نہ تھا کہ نبوت کو ملک و قوم اور زبان کے ساتھ مخصوص کر دیا گیا تھا بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ یہ مخصوص کرنے والے خود پیغمبروں میں تفریق کرتے تھے۔ یعنی ان میں سے بعض کو مانتے تھے اور بعض کو نہیں مانتے تھے یہود حضرت عیسیٰ کو نعوذ باللہ کذاب سمجھتے تھے اور ان پر طرح طرح کی تہمتیں لگاتے

تھے قریش حضرت عیسیٰ کے نام سے چلا نے لگتے تھے۔

فاذا قومک منہ یصدون' یہود و نصاریٰ حضرت داؤد اور حضرت سلیمانؑ کو صرف بادشاہ کہتے تھے اور پیغمبر نہیں مانتے تھے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب و عجم 'شام و ہند' یورپ 'چین' اور 'ترکستان' کی تخصیص کو دور کرتے ہوئے بتایا کہ ہر ملک اور ہر قوم میں خدا کا نور دیکھا گیا اور اس کی آواز سنی گئی ہے اس لئے بلا تفریق و امتیاز دنیا کے تمام پیغمبروں اور رسولوں کو یکساں خدا کا رسول صادق اور راستباز تسلیم کرنا چاہیے۔

# مفہوم نبوت کی وضاحت

ایک اور حقیقت جس کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے' یہ ہے کہ اسلام سے پہلے نبوت و رسالت اور پیغمبری کی کوئی واضح اور غیر مشتبہ حقیقت دنیا کے سامنے نہ تھی' یہود کے ہاں نبوت کے معنی صرف پیش گوئی کے تھے اور نبی وہ تھے جن کے متعلق ان کو یہ یقین تھا کہ اس کی دعا یا بددعا فوراً قبول ہو جاتی ہے چنانچہ توراۃ کے صحیفہ تکوین میں اس مضمون کی آیتیں موجود ہیں' اسی بنا پر حضرت ابراہیمؑ' حضرت لوطؑ' حضرت اسحٰقؑ' حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ کی نبوت و رسالت کا ایک دھندلا سا تصور ان کے ہاں موجود ہے بلکہ بعض پیغمبروں کے مقابلہ میں بعض کاہنوں کی پیغمبرانہ شان زیادہ نمایاں معلوم ہوتی ہے۔ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کی حیثیت صرف بادشاہ کی ہے اور ان کے زمانہ کے پیش گوئی کرنے والے پیغمبر اور ہیں۔

یہود کی طرح نصاریٰ بھی خدا کے سب پیغمبروں کو یکساں تسلیم نہیں کرتے۔ انجیل میں حضرت عیسیٰ کا یہ قول ہے کہ مجھ سے پہلے جو آئے وہ چور اور ڈاکو

تھے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عیسائی کے نزدیک حضرت عیسیٰ سے پہلے کے پیغمبروں
کی حیثیت کیا تھی۔ موجودہ انجیلوں میں نہ خدا کے رسول کی تعریف ہے نہ ان کے
تذکرے ہیں نہ ان کی سچائی اور صداقت کی گواہی۔ حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ کا سب
سے تذکرہ کیا ہے لیکن پیغمبرانہ شان کے ساتھ نہیں۔

اس تخیل کا یہ اثر تھا کہ یہود اور نصاریٰ دونوں اسرائیلی پیغمبروں کی طرف
بے حد نہایت رکیک اور خوفناک باتیں منسوب کرتے تھے مثلاً حضرت لوط پر بدکاری کا
الزام لگاتے تھے حضرت سلیمان کو گنڈا تعویذ اور عملیات وغیرہ کا موجد سمجھتے تھے
حالانکہ سحر اور جادو کو تورات میں شرک قرار دیا جا چکا ہے عیسائی حضرت عیسیٰ کے
علاوہ تمام پیغمبروں کو گنہگار تسلیم کرتے تھے بلکہ انجیل کے مختلف حوالوں سے ثابت
ہوتا ہے کہ یہود اور خود عیسائی بھی حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ کی نسبت بعض ایسی
باتیں کہتے تھے جو ان کی شان عظمت کے سراسر منافی ہیں۔ مثلاً یہود حضرت مریم پر
تہمت رکھتے تھے اور انجیل کے طرز سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ احکام عشرہ کے
برخلاف اپنی ماں کی عزت نہیں کرتے تھے اور احکام عشرہ کے مطابق ماں باپ کا ادب
نہ کرنا بدبختی تھی۔ اس طرح موجودہ انجیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ نماز
روزہ کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔

## اسلام میں نبوت کا مفہوم

حضرت انبیاء کرام علیہ السلام پر یہود و نصاریٰ کے یہ الزامات صرف اس
وجہ سے تھے کہ ان کے مذہب میں نبوت و رسالت کا کوئی بلند تخیل نہ تھا اور نہ انبیاء کی
عظمت کی کوئی بلند سطح قائم تھی۔ لیکن اسلام نے دنیا کے تمام پیغمبروں کی عظمت
وجلالت کی ایک نہایت بلند سطح قائم کی اس کے نزدیک گناہوں سے پاکی اور عظمت
تمام انبیاء و مرسلین کا مشترک وصف تھا سب پیغمبروں پر ایمان لانا ضروری ہے۔ وہ

سب خدا کے چنے ہوئے ایک خاص منصب پر سرفراز تھے وہ سب دنیا میں اس غرض سے بھیجے گئے تھے کہ خدا کے احکام لوگوں کو سنائیں اور نیکی اور سچائی کا راستہ سب کو دکھائیں وہ سب رہنما ہوشیار کرنے والے خدا کی طرف بلانے والے خوشخبری سنانے والے تعلیم دینے والے خدا کے احکام پہنچانے والے نور روشنی خدا کے نیک اور مقبول بندے اور اپنے عہد کے سب سے بہتر انسان تھے۔

اسلام میں اگرچہ پیغمبروں کی تعداد معین نہیں ہے تاہم قرآن پاک میں ان کی دو قسمیں ہم کو بتلائی گئی ہیں۔ ایک وہ جن کے ناموں کی تصریح قرآن میں کی گئی ہے اور دوسرے وہ جن کے نام قرآن میں مذکور نہیں' پہلی قسم میں بھی کئی تقسیمیں ہیں' بعض وہ انبیاء ہیں جن کو اہل عرب اور یہود و نصاریٰ سب جانتے تھے مثلاً حضرت ابراہیمؑ وغیرہ بعض وہ ہیں جن سے اہل عرب واقف تھے لیکن یہود و نصاریٰ کو ان کی خبر نہ تھی۔ مثلاً حضرت ہودؑ اور حضرت شعیبؑ بعض ایسے ہیں جن کو یہود و نصاریٰ پیغمبر نہیں مانتے تھے لیکن دراصل وہ پیغمبر تھے' مثلاً حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ دوسری قسم میں ہر قوم و ملک کے وہ نیک لوگ داخل ہو سکتے ہیں جن کو ان کے ماننے والے پیغمبروں کا سا درجہ دیتے ہیں۔ جیسے یونان کے سقراط' ایران کے زردشت ہندوستان کے سری رام چندر جی اور سری کرشن جی اور مہاتما گوتم بدھ اور چین کے حکیم کنفیوشیوس وغیرہ بشرطیکہ ان کی سچی تعلیم میں توحید اور کلیات دین کے سبق موجود ہوں' لیکن چونکہ ہم یقینی طور پر ان ملکوں کے پیغمبروں کے ناموں کی تعیین نہیں کر سکتے کیونکہ ہمارے پاس تخصیص و تعین کا ذریعہ صرف وحی محمدی ہے اور وہ ان کے ناموں کی نسبت خاموش ہے اس لئے ہر مسلمان کو پہلی قسم کے انبیاء کو نام بنام تفصیلاً اور دوسری قسم کے پیغمبروں کو نام کی تخصیص کے بغیر ماننا ان کی صداقت کو تسلیم کرنا اور اس تسلیم کو ذریعہ نجات سمجھنا لازم ہے۔

ان تمام انبیاء کا دین ایک ہے ان کی تعلیم ایک ہے وہ سب وصف عصمت میں شریک ہیں وہ سب خدا کے راستباز بندے تھے ان سب کا ایک ہی مشن ہے اور ان سب کی زندگی کا ایک ہی طرز ہے اور ان سب کی نبوت کی پہچان یہ ہے کہ وہ ایک ہی دین کی تعلیم دیتے ہیں۔

قرآن پاک کی متعدد آیتیں ہیں جس میں وحدت رسالت کے اس مفہوم کو ادا کیا گیا ہے اور مسلمانوں کو بتایا گیا ہے کہ وہ دنیا کے تمام انبیاء اور پیغمبروں کی یکساں تعظیم و تکریم کریں اور ان سب کو برابر سمجھیں اور یہ عقیدہ سکھایا گیا ہے۔

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ — ہم خدا کے فرستادوں میں کوئی فرق نہ کریں

اور یہ تعلیم دی ہے کہ دنیا کی تمام قوموں میں خدا کے رسول آئے اور اس کے احکام لوگوں کو سناتے رہے۔ کوئی قوم نہیں جس میں خدا کا فرستادہ نہ آیا اس کے لئے عرب و عجم، روم و شام، بنی اسرائیل اور بنی اسمٰعیل ایرانی اور تورانی کی کوئی تخصیص نہیں۔ ان تمام قوموں میں خدا نے اپنے رسول بھیجے اور ہم ان سب کو خدا کا یکساں رسول سمجھیں اسی امر کی اسی تعلیم کا اثر ہے کہ مسلمان یہودیوں کے پیغمبروں عیسائیوں کے رسولوں اور اجمالا ایران کے نبیوں اور ہندوستان و چین کے ربانی مبلغوں کو صادق و راست باز یقین کرتے ہیں۔ خواہ وہ ان کے ناموں کو جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں۔

## وحدت کتاب

اس عنوان سے وحدت ادیان کا مسئلہ سامنے آجاتا ہے جو اسلام کی وسیع اور بلند ذہنیت کو دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے۔

اسلام سے پیشتر دوسرے مذاہب نے اس جانب توجہ نہیں کی تھی یہود تورات کے سوا کچھ نہیں مانتے تھے عیسائی تورات کے احکام کو نہیں مانتے تھے لیکن اس

کی اخلاقی نصیحتوں کو قبول کرتے تھے اور تورات کے علاوہ دنیا میں جو اور کتابیں مذہبی حیثیت سے مقدس مانی جاتی تھیں اور جن کا زمانہ انجیل سے پیشتر تھا ان کی عزت اور عظمت نہیں کرتے تھے پارسی اوستا کے علاوہ اور کسی کتاب کو خدا کا کلام تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ اور ہندوستان کے برہمن ویدوں کے سوا خدائی الہام کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے لیکن محمد رسول اللہ صلعم نے جو رواداری اور بے تعصبی اور نقطہ نظر کی وسعت اس مسئلہ میں ظاہر فرمائی وہ اسلام بلکہ دنیا کی مسلم الشان تعلیمات میں سے ہے۔

اس تعلیم کے مطابق ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ قرآن مجید کی طرح گزشتہ پیغمبروں کی کتابوں کو بھی صحیح سمجھے اور ان کو منجانب اللہ تسلیم کرے بما انزال الیک وما انزل من قبلک گویا قرآن پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ انبیائے قدیم کی کتابوں پر بھی ایمان لایا جائے اور قدیم کتابوں کی تصدیق نہ کرنے کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی تصدیق نہیں کی گئی ہے جس طرح قرآن پر ایمان نہ لانا اسلام میں کفر ہے اسی طرح اگلی آسمانی کتابوں کا نہ ماننا بھی اسلام کے نزدیک کفر ہے۔ یہ ادب یہ عزت یہ رواداری کیا اسلام کے باہر کہیں مل سکتی ہے۔

آسمانی کتابیں اگرچہ غیر محدود ہیں تاہم تخصیص کے ساتھ جن کتابوں کے نام قرآن مجید میں آئے ہیں وہ چار ہیں۔ تورات یا صحف موسیٰ زبور انجیل اور قرآن ان کے علاوہ ایک جگہ حضرت ابراہیم کے صحیفوں کا ذکر آیا ہے لیکن ان کے نام نہیں بتائے گئے ہیں۔ بعض آیتوں میں صرف اگلے صحیفوں یا اگلوں کی کتابوں کا حوالہ آیا ہے بعض آیتوں میں دوسری قسم کے پیغمبروں کی طرح کتابوں کا بھی اجمالی ذکر آیا ہے یعنی ان کے ناموں کی تصریح نہیں کی گئی ہے لیکن ہر حال ہر جگہ ان کی صداقتوں کو یکساں تسلیم کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس لئے قرآن مجید پر ایمان لانے والے مسلمان مجبور ہیں کہ محمد رسول اللہ صلعم سے پیشتر کی ان کتابوں کو جن کے نام قرآن نے بتائے ہیں تفصیلاً اور

جن کے نام نہیں بتائے گئے ہیں ناموں کی تخصیص کے بغیر اجمالاً خدا کی کتابیں سمجھیں اس لئے ایسی اگلی کتابوں کو جن میں آسمانی تعلیمات کی خصوصیتیں پائی جاتی ہوں گو ان کا ذکر قرآن میں نہ ہو جھوٹا نہ کہیں کیونکہ ان کا بھی خدا کی کتاب ہونا ممکن ہے۔ گو قطعیت کے ساتھ ان کا فیصلہ اس لئے نہیں ہو سکتا کہ قرآن نے ان کے نام نہیں بتائے ہیں۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا ہوگا کہ اسلام نے دنیا کے تمام مذاہب حقہ کو ایک ہی سمجھا ہے کیونکہ خدا جو ان تعلیمات کا سرچشمہ ہے ایک ہی ہے تمام رسول اور پیغمبر جو اس سرچشمہ سے سیراب ہیں مقصد کے لحاظ سے متحد ہیں یعنی سب کا مبداء ایک اور تعلیم ایک ہے اس لئے تمام کتابیں جو ان رسولوں کے ذریعہ سے دنیا کو دی گئیں اور جو احکام انہیں بتائے گئے وہ بھی یقیناً ایک تھے اس حقیقت کو کہ تمام رسولوں کی تعلیم ایک تھی قرآن مجید میں متعدد جگہ صاف صاف بیان کیا گیا ہے اس بناء پر اسلام اسی ایک مذہب کا نام ہے جو حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت محمد رسول اللہ صلعم تک باری باری پیغمبروں کے ذریعے سے آبادیوں اور انسانوں کو اس کی تعلیم دی جاتی رہی۔

## وحدت دین

عام مذہب کا خیال ہے کہ جو مذاہب اس وقت پھیلے ہیں وہ ایک دوسرے سے الگ ہیں لیکن اسلام کا دعویٰ یہ ہے کہ تمام سچے مذاہب درحقیقت ایک ہی ہیں ایک ہی پیغام ہے جو آدم سے لے کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک سنایا جاتا رہا بایقال لک الا ماقد قیل للرسل۔

اس مقام پر ایک نکتہ بیان کرنے کے قابل ہے' قرآن مجید نے ہمارے سامنے دو لفظ پیش کئے ہیں' دین اور شریعت جس کو منسک اور منہاج بھی کہتے ہیں دین سے مراد مذہب کے وہ بنیادی امور ہیں جن پر تمام مذاہب حقہ کا اتفاق ہے' مثلاً خدا

کی ہستی' اس کی توحید' اس کے صفات کاملہ' انبیاء کی بعثت' خدا کی خالص عبادت' حقوق انسانی' اخلاق اچھے اور برے اعمال کی باز پرس جزاء و سزا یہ وہ اصل دین ہے جس میں تمام پیغمبروں کی تعلیم یکساں تھی اسی کو لے کر اول سے آخر تک تمام انبیاء آئے اس میں زمان و مکان کے تغیر کو کوئی دخل نہیں نہ قوم و ملک کے اختلاف سے اس میں کوئی اختلاف ہوا وہ ہر زمانہ اور ہر مقام میں یکساں رہا اور وہاں کے پیغمبروں نے اس کی یکساں تعلیم دی اب اگر اس میں کسی جہت سے کوئی اختلاف ہوا تو طریقہ تعبیر کی غلطی ہے یا باہر کی چیزیں اس میں مل گئی ہیں اور اس کی اصلی حالت میں تغیر پیدا ہو گیا ہے۔

دوسری چیز یعنی شرعہ منہاج اور منسک وہ جزئیات احکام ہیں جو ہر قوم و مذہب کی زمانی مکانی خصوصیات کے سبب سے بدلتے رہے ہیں مثلاً عبادت الٰہی کے طریقوں میں ہر مذہب میں تھوڑا تھوڑا اختلاف ہے عبادت کی شکلیں الگ الگ ہیں' اعمال فاسدہ کے انسداد کی تدبیریں جدا جدا ہیں۔

اب قرآن کے نقطہ نظر سے مذاہب کے اختلاف کا یہ مطلب ہے کہ اصل دین جو ازلی سچائی اور ابدی صداقت ہے ناقابل تبدیل اور ناقابل تغیر ہے البتہ حصول مقصد کے راستے اور طریقے مختلف پیغمبروں کے زمانوں میں اگر اصلاح اور تبدیل کے قابل پائے گئے تو بدلتے رہے ہیں۔ دنیا میں انبیاء علیہم السلام کا وقتاً فوقتاً ظہور اسی ضرورت سے ہوتا رہا ہے کہ وہ اسی ازلی اور ابدی صداقت کو دنیا کے سامنے پیش کرتے رہے اور دین کو اصل مرکز پر قائم رکھیں اور ساتھ ہی اپنی قوم و ملک اور زمانہ کے حالات کے مطابق خاص احکام اور جزئیات جو ان کے لئے مناسب ہوں ان کو بتائیں اور سکھائیں۔

## انبیاء کا یکے بعد دیگرے ظہور اور اس کی وجہ

انبیاء علیہم السلام کے حالات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک صاحب

شریعت نبی کے بعد دوسرا صاحب شریعت نبی اس وقت بھیجا گیا ہے جب پہلا صحیفہ وحی کھو گیا ہے یا ذہنی تحریفات در وحی تصرفات سے ایسا بدل گیا ہے کہ اصلیت مشتبہ ہو گئی ہے حضرت ابراہیم کے صحیفوں کے گم ہو جانے کے بعد حضرت موسیٰ پر توراۃ نازل ہوئی اور جب اس میں اختلافات پیدا ہوئے تو زبور وغیرہ مختلف صحیفے آتے رہے جو عہد نامہ قدیم میں موجود ہیں پھر اس کی تکمیل کے لئے انجیل آئی اور جب اس میں بھی انسانی تصرفات کا دخل ہو گیا تو قرآن آیا۔

## آخری کتاب

مگر قرآن اس دعوے کے ساتھ اترا ہے کہ اب اس کے بعد کسی دوسری آسمانی کتاب کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ ہمیشہ کے لئے تحریف و تبدیل سے محفوظ کر دی گئی ہے اور اس کی حفاظت کا وعدہ خود خدا نے کیا ہے اور یہ وہ وعدہ ہے جو دنیا کی کسی آسمانی کتاب کے لئے خدا نے نہیں فرمایا تھا اس سے معلوم ہوا وہ دنیا کی آخری کتاب اور اس کا رسول دنیا کا آخری پیغمبر ہے اب جو کچھ فیض دنیا کو پہنچے گا اسی کے ذریعے پہنچے گا۔

## ہندوستان میں روشنی وحدت و بازگشت

چنانچہ صرف ایک ملک ہندوستان پر غور کیجئے۔

مسلمانوں کے ہندوستان میں آنے کے بعد ہندوؤں میں بہت سے ایسے مصلح پیدا ہوئے جنہوں نے بت پرستی کے خلاف توحید کا وعظ کہا اور لوگوں کو اسی دین کی دعوت دی۔ چودھویں صدی عیسوی میں رامانند سمیا ای نے اصول توحید پر ایک نئی جماعت قائم کی جس کا خیال یہ تھا کہ دنیا کے تمام مذاہب کا سر چشمہ ایک ہے۔ پندرھویں صدی میں کبیر نے ہندوؤں کی بت پرستی اور رسم شاستری کا خاکہ اڑایا اور مسلمانوں کو ان توہمات سے آگاہ کیا جن میں وہ مذہب کے نام سے گرفتار ہو گئے تھے اس طرح ہندو اور مسلمان کے مذہبی تفریقات کو بالائے طاق رکھنا کبیر کا خاص مقصد

معلوم ہوتا ہے جو اسلام کی تعلیم کا مقصد اولین تھا۔ سکھ مذہب کی ابتداء بھی اسلامی اثر کے ماتحت معلوم ہوتی ہے اور اب بھی جہاں کہیں سے یہ آواز آرہی ہے وہ اسلام ہی کی صدائے باز گشت ہے۔

# اسلام کی دعوت اتحاد کا صحیح مفہوم

ان تاریخی حقائق سے واضح ہوا ہوگا کہ اسلام نے وحدت دین کا جو تخیل پیش کیا ہے وہ قدیم زمانہ سے لے کر آج تک مختلف ملکوں میں کس طرح پیدا ہوتا رہا ہے اور دنیا میں جو راز سب سے پہلے محمد رسول اللہ صلعم کے قلب مبارک پر کھولا گیا' اس کی عملی شکلیں آپ کے بعد کہاں کہاں اور کیونکر ظاہر ہوئیں اسی بنا پر قرآن مجید کا وہ دعویٰ کس قدر صحیح اور واقعیت سے لبریز ہے جو اہل کتاب کے سامنے کیا گیا ہے اور جس میں بتایا گیا ہے کہ ہمارے اور تمہارے راستوں میں جو اختلاف ہے اس کے ذمہ دار ہم اور تم خود ہیں ورنہ ہمارا اور تمہارا خدا ایک ہی ہے اور ہمارے تمہارے درمیان جھگڑا نہیں ہے۔ جھگڑا اگر جب تھا جب اصول میں اختلاف ہوتا اصول کو تو سب تسلیم کرتے ہیں البتہ فروع میں اختلاف ہے اور فروعی اختلافات کوئی اختلاف نہیں' یہود و نصاریٰ جنہوں نے اپنی فرقہ بندیوں سے دین میں تفریق پیدا کر دی تھی قرآن نے ان کو اصل دین یعنی "دین قیم" کی طرف بلایا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین تھا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا کہ "تم سے وہی کہا گیا ہے جو تم سے پہلے پیغمبروں سے کہا گیا۔ یہ بھی بتایا گیا تھا کہ تمہارا دین وہی ہے جو حضرت نوح اور حضرت ابراہیم وغیرہ کا تھا ساتھ ہی اس وحدت دین کا دوسرا رخ بھی اسی طرح سامنے رکھا گیا کہ جزئیات کے اختلاف کو چنداں اہمیت نہیں دی گئی۔

چنانچہ قبلہ وغیرہ کے تعین کے سلسلے میں اس حقیقت کو صاف طور

سے واضح کیا گیا۔ حالانکہ یہی چیزیں تھیں جن کی بناء پر یہود و نصاریٰ ایک دوسرے کو ندسر باطل کہا کرتے تھے۔ قرآن نے اصل مقصد کے مقابلہ میں ان چیزوں کو نظر انداز کیا۔

# عقیدہ وحدت دین اور سیاسی اتحاد

وحدت دین کی تعلیم کا ایک عملی اثر بھی تھا جو اور مذاہب میں نظر نہیں آیا۔ اور یہ ایسی چیز ہے جس کو مذہب کے حدود سے باہر حکومت کے قوانین اور احکام میں تلاش کرنا چاہئے۔ یہودیوں کی نظر میں دنیا میں صرف دو ہی قومیں تھیں بنو اسرائیل اور غیر بنو اسرائیل اور انہی دونوں تقسیموں پر ان کے قانون کے بنیاد تھی۔ عیسائیوں میں مذہبی حیثیت سے یہود اور بت پرست تین قومیں تسلیم کی جاتی تھیں لیکن چونکہ ان کے مذہب میں قانون نہیں ہے اس لئے وہ اکثر امور میں رومن لا کے ماتحت رہے لیکن رومن عیسائیوں میں بھی دو ہی تقسیمیں تھیں رومی اور غیر رومی۔ پارسیوں میں ایرانی اور غیر ایرانیوں کی تفریق تھی ہندو اونچ نیچ ذاتوں میں بٹے ہوئے تھے۔

لیکن اسلام نے وحدت دین کے تخیل کی بنا پر قانون کی حیثیت سے دنیا کی قوموں کو چار حصوں میں تقسیم کیا اور ان کے علیحدہ علیحدہ حقوق قرار دیے۔ جن پر برابر تیرہ صدیوں میں عمل ہوتا رہا۔ مسلمان' اہل کتاب' شبہ اہل کتاب' کفار اور مشرکین ان قوانین کی وجہ سے دنیا میں امن وامان اور مسلمانوں میں رواداری پیدا ہوئی اور وہ اس قابل ہوئے کہ اپنے مذہبی عقائد پر سختی سے پابند رہنے کے باوجود دنیا کی دوسری قوموں کے ساتھ میل جول پیدا کریں اور " تعاون عمل " کیلئے تیار ہوں

مجوسیوں، صابیوں، یہودیوں، عیسائیوں اور ہندوؤں کے ساتھ مگر مختلف ملکوں میں ان ملکوں کے مناسب مختلف تمدنوں کی بنیاد رکھنے کی قوت پیدا کرنا اسی عقیدہ کا کرشمہ تھا۔

## وحدت انسانیت

توحید کی تکمیل کے سلسلہ میں دو چیزیں ابتداء اور انتہا مانی جا سکتی ہیں ابتدا خدا کی حقیقی عظمت سے ہوتی ہے۔ اور انتہا انسان کے اصلی مرتبہ پر۔ مشرک، بت پرست، ستارہ پرست، فطرت پرست، بتوں کو سجدہ کر کے پتھروں کو پوج کے، درختوں کے آگے جھک کے، جانوروں کو دیوتا جان کے جنات اور خبیث روحوں کی دہائی پکار کے آسمانی مخلوقات کو ارباب جان کے، انسان کو خدا کر کے حقیقت میں اس بات کا ثبوت دیتے ہیں کہ انہوں نے انسان کے رتبہ اور حیثیت کو نہیں پہچانا در اصل انسان کو پتھروں سے، جانوروں سے، درختوں سے، دریاؤں سے، پہاڑوں سے اور چاند تاروں سے کمتر جانتے ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ چاند اور سورج ان کے لئے نہیں بلکہ وہ چاند اور سورج کے لئے بنے ہیں، چاند، سورج، دریا، جانور، آگ غرض فطرت کے تمام مظاہر سورج سے لے کر زمین کے رینگنے والے کیڑوں تک سب ان کے آقا ہیں اور وہ ان کی غلامی کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔ انسانی برادری بھی دیوتاؤں کی حکومت کی وجہ سے اونچی نیچی، بلند و پست، شریف و رذیل مختلف طبقوں اور ذاتوں میں منقسم ہو گئی تھی کوئی پرمیشور کے منہ سے کوئی ہاتھ سے اور کوئی پاؤں سے پیدا ہوا تھا اس لئے سب کے درجے برابر نہ تھے مساوات انسانی کا نام نہ تھا، مختلف جنسیں تھیں جن کا متحد ہونا ناممکن ہو گیا تھا، بابل، مصر، ہندوستان اور ایران کے حیاوہ و قیصر و شاہنشاہ اپنے جنی نوع سے اس قدر اونچے ہو گئے تھے۔ کہ ان کا عزل و نصب انسان کے ہاتھ میں نہ تھا بلکہ دیوتاؤں اور فرشتوں کے ہاتھ میں تھا بلکہ وہ خود دیوتا اور رب اعلیٰ ہونے کے مدعی تھے۔

# مرتبۂ انسان کا اعلان

محمد رسول اللہ صلعم نے آکر خدا کے سوا ہر شے کا خوف انسانوں کے دلوں سے نکال دیا۔ دنیا کے تمام پست و بلند اور نشیب و فراز کو برابر کیا۔ قوموں اور ذاتوں کا امتیاز افراد یا دولت، فقر، رنگ و روپ، نسل، قومیت کے نشانات مٹ گئے اور فخر و غرور اور جبر و ظلم کا بازار سرد پڑ گیا۔ سب انسان خدا کے بندے، سب اس کے سامنے برابر، سب باہم بھائی بھائی اور سب حقوق کے لحاظ سے یکساں قرار پائے۔

محمد رسول اللہ صلعم نے ہم کو بتایا کہ رات، دن، آفتاب، ماہتاب، ستارے، جانور، دریا، آگ، درخت غرض کائنات کی ہر چیز انسان کے لئے بنی ہے اور وہ انسان کی خدمت گزاری میں معروف ہے پھر اس انسان سے بڑھ کر اور کون نادان ہے جو اپنے خدمت گزاروں میں سے کسی کو اپنا معبود بنائے۔

انہوں نے اپنی وحی کے ذریعے سے دنیا کو یہ نکتہ سمجھایا کہ انسان اس عالم خلق میں تمام مخلوقات سے اشرف ہے وہ خدا کی نیابت کا فرض انجام دینے آیا ہے اس کا سر خلافت الٰہی کے تاج سے ممتاز ہے! کروڑوں مخلوقات الٰہی میں خدا کی امانت کا حامل وہی ہوا۔ یہ منصب نہ فرشتوں کو ملا نہ آسمانوں کو، نہ زمینوں کو، اور نہ پہاڑوں کو، قرآن مجید نے کہا کہ انسان بزرگیوں سے سرفراز، عالم مخلوقات میں سب سے برتر اور انعام واکرام سے معزز ہے اس میں بحر و بر پر چھا جانے کی قوت ہے اس کی بہترین معتدل قوتیں اور بہترین اندازے کے ساتھ مخلوق ہوئی ہے وہ کائنات میں خلیفۃ اللہ بن کر آیا ہے تو اب وہ کائنات میں خدا کے سوا کس کو سجدہ کرے؟

غرض محمد رسول اللہ کی تعلیم نے انسان کی پیشانی کو ہر چوکھٹ سے اٹھا کر صرف ایک خدا کے آستانہ پر جھکا دیا اور بتایا کہ دنیا کی ساری چیزیں انسان کے کام میں لگی ہوئی ہیں اور اسی کے لئے بنی ہیں اب بتاؤ کہ وہ زمین کی کس ہستی کے سامنے اپنا سر جھکائے؟

دنیا نے انسانیت کی اس بلند سطح حقیقت شناسی کے اس اعلیٰ تخیل اور ادائے
فرض کے اس قومی احساس تک جو ترقی کے قدم اٹھائے ہیں ان کا مبداء اور دیباچہ بھی
قرآنی تعلیمات تھیں۔ جنہوں نے انسان کی حقیقت اس پر آشکار کر کے اس کو خود
شناس بنایا۔ اور اسے فرض کی صورت میں سمجھایا کہ افراد و اقوام کی شیرازہ بندی کی اور ان کو
ایک سطح پر لا کر یک رنگی کا لطف پیدا کیا یہی چیز تھی جس سے عربی اونٹ چرانے والے
انسان عالم کے گلہ بان بن گئے۔ ریت کے ذرات سے چمکنے والے معبودوں کے سیم و زر اور تخت و تاج
پر بازی لگانے لگے۔ صحرا کی پشت پر لیٹنے والی قومیں ایران کی چھت پر مسہریاں بچھاتی
تھیں اور چند نخلستانوں کے مالکوں کا نعرہ چہار دانگ عالم کو لمن الملک بنا جاتا تھا۔

## ہر قسم کی تفریقات کا ابطال

انسانوں نے فخر و غرور سے اپنی ایک متحد انسانیت کو سینکڑوں حصوں میں
تقسیم کر رکھا ہے۔ بادشاہوں نے خدائی کا مرتبہ پایا تھا اور ان کو سجدے کئے جاتے تھے
اور ان کے احکام خدائی فرامین کی صورت رکھتے تھے بابل کے نمرود اور مصر کے فرعون
جو اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى کا نعرہ لگاتے تھے۔

محمد رسول اللہ ہی کی آواز تھی جس نے ان کو ان کے تخت جبروت سے اتار کر
عام انسانوں کے درجہ میں لا کر بٹھایا اور خدا کے سوا کسی کو شہنشاہ اور بادشاہ کہنا بھی
ناپسندیدہ قرار دیا۔ (صحیح بخاری)

اسی طرح اہل مذہب نے رسولوں ولیوں اور شہیدوں کو خدائی اور الوہیت
تک پہنچا دیا تھا محمد رسول اللہ صلعم نے ان میں سے ہر ایک کو بندگی اور عبودیت ہی کے
مختلف مدارج اور مراتب پر متعین کیا اور سب کو یکساں خدا کا بندہ اور فرمانبردار قرار دیا۔

قوموں نے بھی اپنے لئے الگ الگ رتبے اور درجے قائم کر لئے تھے بنی
اسرائیل اپنے کو خدا کا کنبہ کہتے تھے ہندوؤں میں برہمن خدا کے منہ سے راجپوت اس

کے بازوؤں سے' شودر اس کی ٹانگوں سے پیدا ہوئے تھے۔ روم میں رومن فاتح بادشاہی کے لیے اور تمام غیر رومن صرف غلامی اور خدمت گاری کے لئے تھے اس طرح قوموں میں پستی و بلندی' عزت و ذلت پاکی و ناپاکی کی وہ امتیازی دیواریں قائم تھیں جنہوں نے ایک انسانیت کو سینکڑوں انسانیتوں میں منقسم کر دیا تھا وہ محمد رسول اللہ صلعم ہی کی آواز تھی۔ جس نے امتیازی تفریق کی ان مدعی قوموں کو سب سے پہلے یہ خطاب کیا۔

بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ — تم بھی خدا کی دوسری مخلوقات میں سے انسان ہو۔

اور تمام امتیازات کی دیواروں کو دفعتاً منہدم کر کے سب کو انسانیت کی ایک سطح پر لا کھڑا کر دیا۔ فرمایا۔

يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ

اے انسانو! ہم نے تم کو خاندان اور قبیلے بنا کر اس لئے پیدا کیا کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو بیشک خدا کے نزدیک تم میں سب سے معزز وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے

قومیت' خاندان' اور پیدائشی بزرگی اور برائی کے تمام امتیازات کا آج خاتمہ ہو گیا اور ہندوؤں کے برہمن' یہودی' ربیوں اور عیسائی پوپوں کو اسی طرح سطح وجود سے مٹا دیا گیا جس طرح دوسری طرف نمرودوں' فرعونوں' قارونوں اور ہامانوں کو مٹا دیا تھا۔

ایک آدم سے تمام انسانی قوموں کا پیدا ہو کر پھیلنا اسلام سے پہلے یہودیوں اور عیسائیوں میں محض آغاز پیدائش (کاسموگرافی) کے ایک نظریہ کی حیثیت رکھتا تھا آنحضرت صلعم نے اس کو اخلاقی تعلیم کا سنگ بنیاد قرار دے کر اس پر انسانی وحدت کی وہ عظیم الشان عمارت کھڑی کی جو انشاء اللہ تا ابد کبھی منہدم نہ ہوگی۔ مغرور عربوں کے سب سے بڑے مجمع میں کھڑے ہو کر آپ نے فرمایا۔

ان اللہ اذھب منکم عصبیۃ الجاھلیۃ وفخرکم بالآباء کلکم بنو آدم وآدم من تراب

اللہ نے جاہلیت کا غرور اور باپوں پر فخر کا دعویٰ باطل کر دیا تم سب ایک آدم کے بیٹے ہو اور آدم مٹی سے تھا۔

عرب کو عجم پر، عجم کو عرب پر، گورے کو کالے پر اور کالے کو گورے پر جو امتیاز کا دعویٰ تھا۔ آج وہ باطل ہو گیا اور اعلان ہوا۔

لَافَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى عَجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلٰى عَرَبِيٍّ لَافَضْلَ لِاَحْمَرَ عَلٰى اَسْوَدَ وَلَا لِاَسْوَدَ عَلٰى اَحْمَرَ

عرب کو عجم پر فضیلت نہیں اور نہ عجم کو عرب پر۔ نہ گورے کو کالے پر فضیلت ہے اور نہ کالے کو گورے پر۔

غرض یہ وہ تعلیم تھی جس نے تمام انسانوں کو ایک کر دیا۔ عرب ہوں کہ عجم، فرنگ ہوں کہ زنگ، ہندو ہوں کہ چینی سب انسانی اخوت کی ایک ہی صف میں دوش بدوش کھڑے ہو گئے۔ توحید اور عموم رسالت کے اقرار پر کل دنیا کے انسان باہم بھائی قرار پائے تقویٰ کے سوا ہر پیدائشی اور فرضی امتیاز باطل ہو گیا اور دنیا کو یہ تعلیم دی گئی۔

لَاتَحَاسَدُوْا وَلَا تَبَاغَضُوْا وَكُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا

ایک دوسرے پر حسد نہ کرو اور نہ ایک دوسرے سے کینہ رکھو اور اے خدا کے بندو آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔

ان عظیم الشان تعلیموں میں سے جن میں لوگ ہمیشہ سے جدا تھے ایک یہ تھی کہ وہ سمجھتے تھے کہ دین اور دنیا دو مختلف چیزیں ہیں دونوں کا دائرہ الگ الگ ہے جو

دین کو اختیار کرتا ہے وہ دنیا سے علیحدہ ہو جاتا ہے اور جو دنیا اور خارجی دنیا پر نظر ڈالتا ہے
اس کے ہاتھ سے دین کا دامن چھوٹ جاتا ہے۔ اس خیال نے اگرچہ ایران، ہندوستان،
چین اور دیگر ممالک مشرقیہ میں عملی شکل اختیار کر لی تھی اور راہبانہ صومعہ نشینی
بادشاہت لشکر کشی کے حدود ذہنی اور دائرہ عمل میں ایک حد فاصل قائم کر دی تھی
کہ دونوں کا اجتماع و تعاون تقریباً ناممکن ہو گیا تھا تاہم اس سلسلہ میں زیادہ قابل توجہ وہ
قومیں تھیں جو اپنے کو صحائف آسمانی کا پیرو اور پیغمبران الٰہی کا مخاطب اول سمجھتی
تھیں۔ ہندو، بدھ، کنفوشی اور زرتشتی نقطۂ نظر سے زیادہ قابل غور وہ تخیل تھا
جس میں انسانوں کی تقسیم کر دی گئی تھی کہ ان میں کچھ دین کے کارکن تھے اور کچھ
دنیا کے۔ ہندوؤں میں خلقتاً برہمن دین کے لئے، راجپوت بادشاہی کے لئے، ویش
بیوپار اور کاشت کاری کے لئے اور شودر محنت و مزدوری کے لئے تھے اور ان کی عمروں
کی بھی تقسیم کر دی گئی تھی کہ کچھ مدت تعلیم کے اور کچھ مدت کمانے کے اور کچھ
مدت عبادت کے۔ بودھوں میں بھکشو الگ کر دیئے گئے تھے جن کا کام صرف دھرم
سیوا تھا اور دنیا دار الگ تھے جو دنیا کا کاروبار کرتے تھے اور جن پر بھکشوؤں کے تمام
اخراجات کا بار تھا۔

یہودیوں میں لاوی دین کے کاہن تھے وہ دنیا کے کاموں سے الگ رکھے گئے
تھے وہ خاندانی ترکہ و وراثت سے بھی محروم تھے کہ یہ دنیا کی چیزیں تھیں اور باقی لوگ
دنیادار تھے۔ عیسائیوں نے اس امتیاز اور تفریق کی دیوار کو اور زیادہ بلند کر دیا تھا انہوں
نے تو خدا اور قیصر اپنے دو حکمران فرض کئے تھے اور یہ تعلیم پائی تھی کہ جو خدا کا ہے وہ
خدا کو دو اور جو قیصر کا ہے وہ قیصر کو دو۔

یہود و نصاریٰ نے اس غلط خیال کے مطابق اپنے کو ڈھالنے کی جس طرح
کوشش کی اس کی مکمل شکل دو متضاد طریقوں سے ظاہر ہوئی یعنی یہود نے تنگی کا

ماحصل دنیا کو سمجھا اور نصاریٰ نے عقبیٰ کو۔ یہودی حکومت و سلطنت مال و دولت اور
تمام سودی کاروبار کا تنگ ظرف یہ خیال تھا کہ انسان کے اعمال و افعال کا مرجع دنیا ہے
اس لئے انھوں نے دین کو بالائے طاق رکھ کر اپنی توجہ تمام تر دنیاوی چیزوں تک محدود
رکھی۔ اور ہر نیکی کا معاوضہ اسی دنیا کی نعمت کو سمجھا اور اسی لئے ان میں ایک بڑا فرقہ وہ
تھا جو صرف دنیاوی انعامات پر اعتقاد رکھتا تھا اور آخرت کا قطعاً منکر تھا خلاف اس کے
اگلے نصاریٰ نے زر خاک دنیوی کو ہاتھ نہیں لگایا وہ ہر نعمت کو آسمانی بادشاہت میں
تلاش کرتے رہے اس نے راہبانہ طریقہ زندگی اور زاہدانہ طرز معیشت اختیار کیا۔

## اسلام کی تعلیم

لیکن پیغمبر اسلام علیہ السلام کے ذریعہ سے جب اسلام آیا تو اس نے دنیا کی
اس قدیم غلط فہمی کو دور کیا اور بتایا کہ یہ دونوں چیزیں دو نہیں بلکہ ایک ہیں۔ دین دنیا
ہے اور دنیا دین ہے دین میں جب خواہشات نفسانی شامل ہوں تو دنیا ہو جاتا ہے اور دنیا
میں احکام الٰہی کا تتبع پیش نظر ہو تو دین ہو جاتی ہے اس طرح جو چیز ان دونوں کے
درمیان حد فاصل قائم کرتی ہے وہ انسان کا نقطہ نظر ہے اگر وہ صحیح ہو تو پھر یہ حد بھی
قائم کرتی ہے اور دونوں چیزیں ایک ہو جاتی ہیں وہی حکومت و سلطنت جس کو دنیا سمجھا
جاتا ہے اگر وہ خدا کی مرضی کے لئے کی جائے تو دین ہو جاتی ہے۔ مال و دولت جمع
کرنا دنیا ہے لیکن اگر احکام الٰہی کے تحت ہیں اس سے حق والوں کی خدمت پیش نظر ہو تو
دین ہو جاتا ہے۔ خودکشی دنیا ہے لیکن اگر احکام خداوندی کی تعمیل میں کوئی اپنی جان فدا
کرے تو شہادت کی شکل پا کر دین ہو جاتی ہے۔

پیغمبر اسلام فداہ ابی وامی نے عملی شکل میں ہم کو یہ صورت بتائی۔ آپ کی
نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، قیام لیل، عبادت شبانہ، تلاوت قرآن، تبلیغ احکام، غزوات،
فتوحات، مہمات سلطنت کی مصروفیت غرض آپ کی سیرت کا ایک ایک واقعہ دین بھی

تھا اور دنیا بھی عین اسی وقت جب آپ پر سکندر و قیصر ہونے کا دھوکا ہوتا تھا آپ سفیر
الٰہی اور فرشتہ یزدانی نظر آتے تھے آپ کے بعد آپ کے خلفاء اور صحابہ رضوان اللہ
علیہم نے بھی اس نکتہ کو واضح کیا اور ان کے تمام زریں کارناموں سے اندرونی روح نظر
آتی جو دین اور دنیا کی ترکیب و امتزاج سے پیدا ہوئی تھی اور جو قرآن پاک کے منشاء کے
عین مطابق تھی قرآن مجید نے متعدد آیتوں میں انسانی اعمال کی جزا کو دنیا اور دین دونوں
سے متعلق فرمایا ہے یعنی یہ بتایا ہے کہ انسان کو نیکی یا بدی کا پھل دنیا میں بھی ملتا ہے اور
عقبیٰ میں بھی ملے گا یہ نکتہ صحابہ کرام کے بعد عرصہ تک مسلمانوں کے پیش نظر رہا۔
اور جب تک وہ اس کو سمجھتے رہے ان کے تمام اعمال و افعال میں جمعی رنگ نمایاں رہا۔
ان کی دنیا عین دین رہی اور دین عین دنیا۔

## مسلمانوں کے زوال کا حقیقی سبب

لیکن جب اس نقطۂ نظر میں تبدیلی واقع ہوئی ان کے کام ابتر ہو گئے
اور ان میں اسلام کے بجائے یہودیت اور نصرانیت کا رنگ جھلکنے لگا ان میں اہل کتاب
کی طرح دین اور دنیا دو مستقل اور جداگانہ چیزیں قرار پائیں بعض اعلانیہ دنیا کو اختیار
کر کے دین سے غافل ہو گئے اور یہود کے خیال کو زندہ کر دیا۔ بعض نے ترک دنیا
کر کے گوشہ نشینی کو ترجیح دی اور عیسائیوں کی راہبانہ زندگی کی یاد تازہ کر دی اس کی
ایک محسوس اور عینی مثال خلافت کے حدود میں ملتی ہے پہلے خیال کے تسلط کے زمانہ
میں خلیفہ دینی مقتداء اور دنیاوی سردار کی حیثیت سے تسلیم کیا جاتا تھا لیکن جب دوسرا
خیال مستولی ہوا تو ملوکیت اور پاپائیت کی صورت پیدا ہو گئی یعنی مذہبی پیشوا الگ ہو گئے
اور دنیوی حکومت سلاطین کے قبضہ و اقتدار میں چلی گئی۔ اس تفریق نے مسلمانوں کی
قومی قوت کو اور اتحاد کی شیرازہ کو جس طرح توڑا اور منتشر کیا اس کے شواہد تاریخی دفتر
سے باہر ان کی موجودہ حالت کے اندر آج بھی ملتے ہیں جن کو ماہروں کے فلسفہ تاریخ

کے علاوہ امراض قومی کا ہر نبض شناس آج بھی سمجھ سکتا ہے اور جب کہ ہم اپنی موجودہ ابتری اور پستی کا احساس کر کے اس مرکزی خیال کی طرف عود کریں جو ہماری ترقی، سربلندی اور تفوق کا ضامن تھا جس کے اندر اسلام کی روح جلوہ گر تھی اور جو یہودیت و عیسائیت سے بالکل علیحدہ تھا۔

آج مسلمان قومیں یا تو یہودی تخیل کا شکار ہیں اور یا عیسوی تخیل کا۔ محمدی دعوت آج اکثر ان کی نگاہوں سے پوشیدہ ہے آج منبر اور تخت دو سمجھے جاتے ہیں اور سپہ سالار اور امام نماز دو گروہ ٹھہرائے جاتے ہیں حالانکہ ہمارا منبر اور تخت ایک تھا اور ہمارے سپہ سالار ہی ہماری نماز کے امام ہوتے تھے۔

## اسلام کی طرف آؤ

مسلمانوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تعلیم کو ایک مدت سے فراموش کر دیا ہے انہوں نے بھی دین و دنیا کے حدود مقرر کر لئے ہیں اور خدا اور قیصر دو شہنشاہوں کی رعایا بن گئے ہیں وہ سلطنت و حکومت اور تجارت و کسب زر اور تعلیم ہنر کو دنیا کا کام اور صرف نماز روزہ اور تسبیح و وظیفہ خوانی کو دین کا کام سمجھتے ہیں حالانکہ حسن نیت ہو تو ہر دنیاوی جد و جہد، ہر سیاسی سعی و فکر، ہر تعلیمی عمل و خدمت ہر تجارتی شغل و کاروبار، ہر صنعتی ترقی و اقدام اور ہر ایجاد و اختراع سراسر دین ہے اور حسن نیت نہ ہو تو رات بھر کی نماز اور دن بھر کا روزہ دین نہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس مذہب کو پیش کیا ہے اس میں دین و دنیا کی تفریق اگر کسی معنی میں ہے بھی تو کاموں کے امتیاز کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ دلوں کی نیتوں کے فرق کی وجہ سے ہے اور یہی وہ نکتہ ہے جس کی بناء پر اسلام جب دین بن کر آیا تو ساتھ ہی ساتھ سلطنت و حکومت کا پیام بھی لایا۔ یہودی مذہب میں دین الگ سے آیا اور دنیا الگ سے بنی اسرائیل کو دین ملنے سے چار سو برس کے بعد سلطنت ملی، عیسائیت کو حضرت عیسیٰ کے صدیوں کے بعد تخت کا منہ دیکھنا نصیب ہوا۔ لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

جس وقت مدینہ منورہ میں اپنے دین کا ممبر نصب فرمایا اسی وقت دنیا کا تخت بھی بچھ گیا اور اسی وقت عظیم الشان روحانی و تمدنی و سیاسی، علمی و تعلیمی غرض تمدن و تہذیب کے تمام شعبے اپنی اپنی جگہ پر قائم ہو گئے تھے جن کے اندر اندر خلیج فارس سے نیل کر بحر ظلمات تک دین و اخلاق، علم و عمل، عدل و انصاف، اخوت و مساوات اور تہذیب و تمدن کی ایک نئی دنیا پیدا ہو گئی۔ اہل اسلام اور اہل کتاب کی مشترک دستور و قومیت نے انسانی اخوت کی ایسی نظیر پیش کی جس کی مثال دنیا نے نہیں دیکھی تھی اور عرب و عجم، ترک و حبشی، ہندو روم اور بربر و حبش نے مل کر کے علم اتحاد کے زیر سایہ ایسی اخوت عامہ کی بنیاد ڈال دی جس کے مناظر اس دور ترقی میں بھی نظر نہیں آ سکتے۔

اس تھوڑی سی مدت میں انقلاب کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ دین و دنیا کے کاموں کی تفریق کی دیوار اس نے ڈھا دی تھی، رہبانیت اور گوشہ نشینی کا کام اس نے عبادت نہیں رکھا تھا بلکہ ملکوں کے فتوحات ہوں، مدرسوں کی تاسیس ہو، تجارت کے بری و بحری سفر ہوں، جنگی مشاغل ہوں یا امن و صلح کی کوششیں ہوں، حصول رزق اور کسب دولت کی صحیح مساعی ہوں یا غریبوں، یتیموں اور مسافروں کی امداد کے کام ہوں، آل و اولاد اور زن و فرزند کی مخلصانہ خواہش یا خدا کیلئے تن تنہا جدوجہد اور جہاد ہو ان میں سے ہر کام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مذہب میں دین تھا اس لئے ایک مسلمان کی زندگی کا ہر شعبہ ہر سعی و محنت اور جدوجہد جو خدا کی مرضی کے حصول کی خاطر ہو سراسر دین ہے۔

مسلمانوں کی گزشتہ تباہی و بربادی کا اصلی سبب یہی ہوا کہ انھوں نے دین و دنیا کی اس وحدت کے نکتہ کو فراموش کر دیا۔ بادشاہ و دنیاوی کاروبار کا اور شیخ الاسلام دینی معاملات کا ذمہ دار بنا اور عیسائیوں کی طرح دین الگ اور دنیا الگ، قیصر الگ اور خدا الگ قرار دیا گیا ہے دینی کاموں کی فہرست الگ بنائی گئی اور دنیاوی کاموں کی فہرست الگ تیار کی گئی کچھ لوگوں نے اپنے کو خانقاہوں، مسجدوں اور حجروں میں بند کر کے اپنے کو دین کا خادم کہلایا اور کچھ لوگوں نے دنیا کے بازاروں اور جدوجہد کی صفوں میں پہنچ کر

اپنے کو دنیادار قرار دیا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل دین ہونے کے مدعی دنیا کے کاموں کے لائق نہ رہے اور کھلم کھلا اہل دنیا کہلانے والے خدا کے خوف و خشیت کو بھلا کر اس کی رضا کی دولت کو کھو بیٹھے۔

اب امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ پر فرض ہے کہ وہ دین و دنیا کی وحدت کے اس راز کو سمجھے اور اپنی نجات و فلاح کی تدبیر تلاش کرے۔

ایمان

# جماعتوں کی تنظیم

## کسی ذہنی اساس، ملت اور بنیادی عمل سے ہوتی ہے

دنیا کی وہ تمام عظیم الشان قومیں جنہوں نے دنیا میں کوئی بڑا کام کیا ہے یا جو دنیا میں کوئی بڑا کام کرنا چاہتی ہیں، ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ پہلے اپنے پورے نظامِ ہستی کو کسی ایک قانون پر مبنی کریں، اور اپنی تمام منتشر قوتوں کو کسی ایک اصول کے تحت مجتمع کریں۔ زندگی کے سینکڑوں شعبے اور بقائے ہستی اور ترقی کے ہزار ہا شاخ در شاخ اعمال جو دیکھنے میں تمام تر منتشر، پراگندہ، متفرق اور ایک دوسرے سے الگ نظر آتے ہیں، ان سب کے درمیان ایک واحد نظام، ایک متحدہ اصول، ایک مشترکہ جامعیت پیدا کریں، جس کا شیرازہ ان متفرق و پراگندہ اوراق کو ایک منظم کتاب بنادے۔

دنیا جب سے بنی ہے، تب سے آج تک ہزارہا قومیں پیدا ہوئیں اور مریں لیکن کسی قوم نے اس وقت تک ترقی نہیں کی ہے جب تک اس کے اندر اس کی زندگی کا کوئی واحد نظام نہیں پیدا ہوا ہے، اور کسی واحد تخیل نے ان کے اندر یہ اہمیت نہیں پیدا کرلی ہے کہ وہ اس کے تمام افراد کی زندگی کی غرض و غایت اور ان کے تمام اعمال کا مرکز و مرجع اور جہت و قبلہ نہ بن گیا ہو، وہی واحد تخیل بڑھ کر واحد جماعت اور

اس سے بھی زیادہ پھیل کر ایک واحد ملت کی تخلیق و تکوین کرتا ہے۔

ہم اس کو ایک مثال میں سمجھانا چاہتے ہیں، روم کی سلطنت کا آغاز ایک گاؤں سے ہوا، اور رفتہ رفتہ یہ نقطہ بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ صدیوں میں ایک عظیم الشان سلطنت بن گئی۔ اس دائرہ کا نقطہ خیال، مرکز اتحاد، جہت اشتراک، اساس جامعیت "رومیت" قرار پائی، جس نے رومیت کے اصول کو تسلیم کیا، اس کو شہر روم کے باشندوں کے حقوق عطا ہوتے۔ اور جس نے قبول نہ کیا، یا جس کو یہ شرف خود رومیوں نے عطا نہیں کیا، وہ ان حقوق سے محروم رہا، صدیوں تک یہ رومیت، رومی قوم کی زندگی کا شعلہ، حیات رہی، اور اسی کی روشنی میں یورپ و روم اسپانیہ تا چین سے لیکر شام تک جگمگاتا رہا، مگر جیسے جیسے یہ روشنی ماند پڑتی گئی اندھیرا چھاتا گیا اور جیسے جیسے یہ رومی عمارت کی یہ مستحکم بنیاد کمزور پڑتی گئی زائل ہوتی گئی، یہاں تک کہ ایک دن یہ عمارت گر کر زمین کے برابر ہو گئی۔

الغرض قوموں کی موت و حیات کسی ایک "تخیل" کی موت و حیات پر موقوف ہے۔ جس کی زندگی سے ان کی زندگی، اور جس کی موت سے ان کی موت ہے۔ گذشتہ جنگ میں اور اس جنگ میں بھی آپ سمجھتے تھے اور سمجھتے ہیں کہ انگریز، جرمن، یا جرمن، انگریز سے لڑ رہے ہیں۔ نہیں، انگریزیت جرمنیت سے، یا جرمنیت انگریزیت سے لڑ رہی تھی اور لڑ رہی ہے، قوم، قوم سے نہیں لڑ رہی ہے، بلکہ ایک یقینی تخیل دوسرے یقینی تخیل سے لڑتا ہے۔

قوم کی زندگی کا وہ یقینی تخیل، اس کے تمام کاموں کی اساس و بنیاد بن جاتا ہے۔ پوری قوم اور قوم کے تمام افراد اس ایک نقطہ پر جمع ہو جاتے ہیں، وہ نقطہ ماسکہ ان کی پوری زندگی کا محور بن جاتا ہے۔ اسی ایک تخیل کا رشتہ منتشر افراد کو بھائی بھائی بنا کر ایک قوم کے مشترک افراد ترتیب دیتا ہے۔ اور ایک واحد، متحد، منظم اور قوی قوم بنا کر

ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے۔

جب کبھی دو قوموں کا مقابلہ ہو گا تو ہمیشہ اس کو فتح ہو گی، جس کا نقطہ تخیل زبردست ہو گا، اور جس کے افراد اس رشتہ حیات میں سب سے زیادہ منظم ہو چکے ہوں گے، اور جو اس مشترک مرکز وحیات پر سب سے زیادہ متفق و متحد ہو گئے۔ عربوں نے اسی قوت سے قیصر و کسریٰ کو شکست فاش دی، عربوں کے پاس ایرانیوں کے خزانے اور نہ رومیوں کے اسلحہ تھے۔ مگر ان کے پاس وہ قوت ایمانی تھی جس سے ایرانی اور رومی محروم تھے۔

جب کوئی قوم تنزل پذیر ہوتی ہے، تو اس کی وہی قوت ایمانی کمزور ہو جاتی ہے، اس کی وہی مشترک اساس وحیات منہدم ہونے لگتی ہے، اور قوم کی زندگی کا مقصد اس مشترکہ قومی غرض و غایت سے ہٹ کر اپنے اپنے نفس، اپنے اپنے خاندان، اپنی اپنی جماعت میں سمٹ جاتا ہے، اسلئے اس میں قومی خائن پیدا ہوتے ہیں، جن کے پیش نظر اس مشترکہ جامعیت کے فوائد و نقصانات کے بجائے خود اپنی ذات و خاندان کا فائدہ و نقصان ہوتا ہے۔

مٹھی بھر انگریزوں نے ہندوستان کے روپے سے، ہندوستان کے سپاہیوں سے، خود ہندوستان کو فتح کیا، حالانکہ اس وقت پورے ملک میں اودھ، روہیلکھنڈ، بنگال، مرہٹہ، میسور، حیدرآباد کی ایسی عظیم الشان طاقتیں تھیں، جن کے بس میں تھا کہ انگریزوں کو پوری طرح شکست دیدیں، مگر ایسا نہ ہو سکا۔ اس لئے کہ انگریزوں کے سامنے ایک متحدہ مشترکہ تخیل تھا جس پر پوری قوم متفق تھی۔ جو انگریز جہاں بھی تھا چاہے وہ سپاہی ہو یا گورا، معمولی کلرک ہو یا سوداگر ہو، یا ڈاکٹر ہو، یا جنرل ہو، یا گورنر ہو، ہر ایک کے سامنے ایک ہی بلند مقصد تھا، اور وہ انگلستان کی سربلندی اور عظمت، لیکن ہندوستانیوں کے سامنے باوجود طاقت و قوت کے کوئی ایک متحدہ غرض، مشترکہ

جامعیت' واحد اساس کار اور منتقہ بنیاد عمل نہ تھی' جس کا بچاؤ' جس کی حفاظت اور جس کا اعلاء پوری قوم کی غرض وغایت اور بنیاد و اساس ہوتی' ہر نواب' ہر رئیس' ہر سپہ سالار' ہر سپاہی' اور ہر نوکر کا مقصد اپنی فکر اور اپنی ترقی تھی اس حالت میں نتیجہ معلوم۔

اب ایک اور حیثیت سے نظر ڈالئے' دنیا کی ہر متمدن قوم کے پورے نظام زندگی کا ایک اصل الاصول ہوتا ہے۔ فرض کرو کہ آج روسی بالشوسٹ کے سارے نظام کا ایک واحد نقطہ خیال ہے۔ اور وہ سرمایہ داری کی مخالفت ہے' جو اس نظام کی اصل اساس ہے' اب جس قدر اس نظام کی شاخیں' شعبے' صیغے اور کام ہیں سب ایک اصل الاصول یعنی "سرمایہ داری کی مخالفت" پر مبنی ہیں' اسی طرح ہر ترقی یافتہ قوم کے تمدن اور نظام ہستی کا ایک اصولی نقطہ ہوتا ہے' جس کے تحت میں اس تمدن اور نظام ہستی کے تمام شعبے اور فروع ہوتے ہیں۔

اسی طرح آج انگریزی جدوجہد کی بنیاد انگریزی سرمایہ داری' امریکن تمدن کی بنیاد' امریکن سرمایہ داری' نازی تمدن کی بنیاد جرمن قوم کی سربلندی' اور فسسٹ کی بنیاد پرانی رومی قیصریت کی دوبارہ تعمیر پر ہے۔ اگر کسی تمدن اور نظام کا یہ سرا نکال دیا جائے تو اس تمدن کے تمام اجزاء اور اس نظام کے تمام شعبے' بے معنی' بے سود اور بے اساس ہو کر رہ جائیں اور چند ہی روز میں وہ تمام سررشتے تار عنکبوت ہو کر نابود ہو جائیں' اسی لئے ہر قومی تمدن اور نظام ملت کو سمجھنے کے لئے اس کے اس اساس کار' سررشتہ خیال' اور اصل الاصول کو سمجھنا چاہیے' جب تک وہ سرا ہاتھ نہ آئے گا اس نظام ملت کا الجھاؤ سمجھ نہیں سکتا۔

## ملتوں کا اختلاف تخیلہ کے اختلاف سے ہے

اس نکتہ کو خوب سمجھ لینا چاہیے کہ دنیا میں گو ہزاروں ملتیں اور قومیں ہیں' لیکن ان میں سے ہر ایک ملت و قومیت کا اصل انفرادی تشخص' اور امتیازی وجود' اس

کے گوشت پوست ہڈی اور رنگ و روغن سے نہیں یہ تو اوپری سطح اور ظاہری قشر پر کے نشانات اور خطوط ہیں۔ ان کا اصل انفرادی اور مستقل تشخص اور امتیازی وجود ان ایمانیات اور یقینیات سے ہے' جو ہر ایک کے دل میں سے اور ہر ایک کے رگ و ریشہ میں رچے ہوئے ہیں۔

آج ہندوستان میں ہندو' مسلمان' عیسائی' پارسی' جین' سکھ ہزاروں قومیں آباد ہیں شکل و صورت اور رنگ و روپ کے لحاظ سے ان میں کوئی تفاوت نہیں اگر ہے تو ہر ایک کے اس تخیلہ میں ہے جس سے اس کی ملت کی تعمیر ہوئی ہے اس لئے کسی ملت کے تخیلہ کو بدل دینے کے معنی اس ملت کو مٹا دینے کے مترادف ہے دنیا میں جو کمزور قومیں فنا ہوتی ہیں ان کی صورت یہی ہوئی ہے کہ انہوں نے اپنا تخیلہ ایمانی چھوڑ کر کسی دوسری طاقتور قوم کے تخیلہ ایمانی کو قبول کر لیا' نتیجہ یہ ہوا کہ وہ قوم مٹ گئی' اور دوسری قوم میں ضم ہو کر وہ خود فنا ہو گئی' ہندوستان کے یونانی' سیتھین اور بودھ کیا ہوئے؟ آریہ ہندوؤں میں سما گئے' ایران کے مجوسی کدھر گئے' مسلمانوں میں مل گئے' مصر کے قبطی کہاں گئے' عربوں میں شامل ہو گئے' سسلی اور اسپین کے عرب کیا ہوئے' اٹلی اور اسپین والوں میں گھل گئے۔

## تجدید کی سعی بھی اسی تخیلہ کی مدد سے ممکن ہے

کسی قوم و ملت کی اس تعمیری حقیقت سے باخبر رہنا صرف اس لئے ضروری نہیں کہ وہ جب کا دور وہ اس سے بنی ہے بلکہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ اس کی تجدید و اصلاح کی جب کبھی ضرورت پیش آئے تو اس حقیقت کا واقف کار اس کے ذریعہ سے اس کی تجدید و مرمت کرے۔ اس کی وہ تعمیری حقیقت وہ مسالہ ہوتا ہے جس کے بکھرنے سے اس قومیت و ملت کا جز تو اپنی جگہ پر حرکت کرنے لگتا ہے۔ اہل توحید کے لئے توحید کی آواز اہل صلیب کے لئے صلیب کی پکار' گاؤ پرست کے لئے گائے کی

آواز سحر و طلسم کا حکم رکھتی ہے' جس سے ایک نو میں قوم کی قوم میں جان پڑ جاتی ہے اور سست و ناکارہ قوم بھی کروٹیں بدلنے لگتی ہے' اور آواز کی مانگ کے مطابق سرگرم عمل ہو جاتی ہے۔

فرض کرو دنیا میں آج چالیس کروڑ کی تعداد میں ایک ملت آباد ہے جس کا نام مسلمان ہے اس ملت کی حقیقت کیا ہے؟ توحید الٰہی اور رسالت محمدی پر ایمان لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اگر کوئی اس ملت کی حقیقت تعمیری کو مٹا ڈالے تو یہ چالیس کروڑ ملت واحدہ چالیس کروڑ فومیتوں میں منقسم ہو کر دم کے دم میں فنا ہو جائے گی اور یہ چالیس کروڑ افراد کا کارواں جو ایک صدائے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے جرس پر حرکت کر رہا ہے اب اس کی حرکت کے لئے مختلف آوازوں کے چالیس کروڑ جرسوں کی ضرورت پیش آئے گی جس سے دنیا کی قوموں کا تصادم جائے کم ہونے کے حد قیاس سے زیادہ بڑھ جائے گا اور ان کے باہمی جنگ و جدول کوئی ایک متحدہ آواز روک نہیں سکتی۔

الغرض ملت کی یہ تعمیری حقیقت' ہر ملت کی روح ہوتی ہے' اس کی بقاء سے اس کی زندگی' اور اس کی موت سے اس کی فنا ہوتی ہے' یہی ملت کے جسم کا گرم خون ہے جس سے رگ رگ میں زندگی کی لہر دوڑتی ہے' اور سعی و عمل کی قوت بیدار ہوتی ہے۔

کسی قوم کی اس اساس ملت اور بنیاد تعمیر سے ہٹ کر جب کبھی اس تجدید کا کام کیا جائے گا تو وہ ساری کوشش بے کار جائے گی' فرض کرو کہ ایک ہندو قوم ہے اس کی قومیت کی بنیاد وہ خاص تخیلات و جذبات ہیں جو ہزار سال سے اس میں پیدا ہو کر اس کی حقیقت کے اجزاء بن گئے ہیں۔ ذات پات' چھوت چھات' گائے' اور گنگا' وہ مسالے ہیں جن سے اس کی قومیت کی تعمیر ہوئی ہے' وید کے عہد سے آج تک مختلف قومیں

میں بیسیوں ریفارمر اس قوم میں پیدا ہوئے جنہوں نے اس قوم کی ماہیت کے ان اجزاء کو بدل دینا چاہا۔ مگر کیا یہ آج تک ممکن ہوا؟ اور جب کبھی اس آواز میں عارضی کامیابی بھی ہوئی تو بدھ، جین، کبیر پنتھی، سکھ قومیں اور الگ الگ بن گئیں، مگر ہندو قومیت اپنی جگہ پر قائم رہی۔

مسلمانوں میں اسلامی حکومت کے زوال کے بعد سے آج تک بیسیوں تحریکیں مسلمانوں کی تجدید اور نشاۃ ثانیہ کے نام سے اٹھیں اور چلیں، مگر جو کامیابی مولانا اسماعیل شہیدؒ کی تحریک کو حاصل ہوئی اور اس نے مسلمانوں کی ذہنی و عملی قوتوں کو بیدار کرنے میں جو عظیم الشان کام کیا اس کی صرف یہی وجہ تھی کہ وہ تجدید اسلام کی اصلی بنیاد، اساس، نظام حقیقی کو سامنے رکھ کر شروع کی گئی تھی، اور اس کے بعد ابھی موجودہ زمانہ تک اسی تحریک کو فروغ ہو سکا جو اسی اساس ملت کے نام سے پیش کی جاتی رہی۔ اس کامیابی کا عارضی اور ہنگامی ہونا دراصل خود کارکنوں اور تحریک کے علم برداروں کے عارضی یقین اور ہنگامی ایمان کا نتیجہ ہے۔

## ایمان کے بغیر عمل ممکن نہیں

اب اس تشریح کے بعد اس کے تسلیم کرنے میں کسی کو عذر نہ ہوگا کہ دنیا میں کوئی ترقی یافتہ قوم یا ترقی چاہنے والی قوم ممکن ہی نہیں جس کے پاس چند ایمانیات نہ ہوں، یا یوں کہو کہ چند اصول کار، اصول حیات، یا اصول نظام نہ ہوں، جن سے اس کی قومیت تحقیق ہوتی ہے اور جن پر اس کی ملت و تمدن و حیات اجتماعی کی عمارت قائم ہوتی ہے اور جو اس کے منتشر افراد کے درمیان رشتہ اشتراک کا کام دیتے ہیں اور جن کے تحت میں اس قوم کے نظام حیات کے تمام شعبے مکمل ہوتے ہیں، یہاں تک کہ کافر و مشرک قومیں بھی اس سے خالی نہیں ہیں ان کے بھی تمام اعمال و افعال ان کے

چند یقینی تخیلات اور عقائد کے تحت ہی میں آجاتے ہیں۔ اس حالت میں یہ کہنا کہ ایمانیات کے بغیر ترقی کے حسن عمل یا انسانیت کی نیکی کردار کا وجود ہو جاتا ہے، حقائق سے بے خبری کا ثبوت ہے۔ ایمانیات کے بغیر حسن عمل اور نیکی کردار کیا، بعض نفس عمل اور نفس کردار ہی کا وجود ممکن نہیں۔ اب اگر بحث ہو سکتی ہے۔ تو اس میں نہیں کہ ایمانیات کے بغیر حسن عمل اور نیکی کردار کا وجود ہو سکتا ہے یا نہیں بلکہ اس میں کہ ان ایمانیات کے تحت میں حسن عمل اور نیکی کردار کا وجود زیادہ بہتر ہو سکتا ہے، یا ان ایمانیات کے تحت میں؟ لیکن یہ نہیں کوئی کہہ سکتا کہ کسی ایمان کے بغیر کوئی عمل کسی نظام حیات کے بغیر کوئی بلند کارنامہ حیات، اور کسی بنیاد کے بغیر کوئی مستحکم عمارت قائم ہو سکتی ہے۔ آپ اس کا نام انسانیت رکھیں، قومیت رکھیں، وطنیت رکھیں، یا فاشزم رکھیں، بت پرستی رکھیں، یا توحید و خدا شناسی رکھیں، جو چاہے رکھیں اور جو چاہے قرار دیں، بہر حال یہ مقدمہ اپنی جگہ پر مسلم ہے کہ ایمان کے بغیر عمل صالح کا وجود ممکن ہی نہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ ہمارا وہ اساسی خیال، جس پر ہماری ملت کی بنیاد ہو، اور جو ہمارے تمام اعمال کا سرچشمہ ہے کیا ہونا چاہیے؟

## نسل و وطن کے عقیدہ کی ناکامی

دنیا کی قوموں نے اساس ملت کی بنیاد جغرافی حدود اور نسلی خصوصیت کو قرار دیا۔ رومیوں کی ہزار سالہ حکومت، رومی وطنیت کے سہارے پر قائم رہی، ہندوؤں، پارسیوں اور یہودیوں کی قومیت نسلی امتیاز پر مبنی ہے۔ یورپ کی موجودہ قومیتیں نسل و وطن کی دہری دیواروں پر کھڑی ہیں۔ لیکن خود غور کرو کہ جغرافی حدود اور نسلی و وطنی خصوصیات نے قوموں کو کتنا دل تنگ، محدود خیال اور متعصب بنا دیا ہے۔ دنیا کی اکثر خونریزیاں، لڑائیاں اور قومی منافرتیں ان ہی جذبات نے پیدا کی ہیں

قدیم تاریخ میں ایران و روم کی صد سالہ جنگ اور خود یورپ کی گزشتہ نا تیسے جنگ جس میں انسانوں نے انسانوں کو درندوں کی طرح چیرا اور پھاڑا اسی نسلی و وطنی جذبات کی شعلہ افروزی تھی اور آج کا خونی تماشہ بھی اسی جذبہ کا نتیجہ ہے۔

یہ نسلی اور وطنی اختلاف قوموں کے درمیان وہ خلیج ہے، جس کو انسانوں کے ہاتھ کبھی پاٹ نہیں سکتے۔ نہ تو فطرۃً کسی نسل و قومیت کا کوئی پیدا شدہ انسان دوسری نسل و قومیت میں داخل ہو سکتا ہے اور نہ ایک مقام کا پیدا شدہ دوسرے مقام کا پیدا شدہ بن سکتا ہے۔ نہ کالا گورا بن سکتا ہے نہ گورا کالا، اور نہ فرنگی زنگی بن سکتا ہے نہ زنگی فرنگی، نہ جرمن کو انگریز بنایا جا سکتا ہے، نہ انگریز کو جرمن، نہ افغانی ہندوستانی بن سکتا ہے، نہ ہندوستانی افغانی۔ آج پولینڈ کے کھنڈروں سے لیکر رومانیہ کے روغنی چشموں تک جو زمین خون سے لالہ زار ہے اس کا سبب کیا اسی نسلی و وطنی خونخواریوں سے داغدار نہیں؟

غرض نسل و وطن کے دائرے اس مضبوطی سے فطرۃً محدود ہیں کہ ان کے اندر تمام دنیا تو کیا، چند قوموں کے سمانے کی بھی وسعت نہیں ہے لہٰذا دونوں کے جذبات و احساسات صرف ایک مختصر و محدود قومی جامعیت کا کام دے سکتے ہیں۔ کسی عالمگیر امن و صلح اور انسانی اخوت و برادری کی بنیاد اس پر رکھی ہی نہیں جا سکتی۔

پھر ان دونوں محدود تصورات کے ذریعہ سے اگر افراد میں کچھ شریفانہ جذبات پیدا ہو سکتے ہیں تو وہ ان ہی تنگ جغرافی و نسلی دائروں تک محدود رہیں گے، اور کبھی تمام دنیا کے اس کے اندر سما جانے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ علاوہ ازیں ان اساسی تصورات کے ذریعہ جن بلند انسانی اخلاق اور کیرکٹر کا پیدا کرنا مقصود ہے، ان میں سے صرف نسل و وطن کی حفاظت کی خاطر شجاعت، ایثار اور قربانی کے جذبات پیدا ہو سکتے ہیں، مگر عمومی نیکی، تواضع، خاکساری، رحم، شفقت، عفت، صدق، امانت وغیرہ سینکڑوں ایمانی اور عملی اخلاق ہیں جو اس کے ذریعہ سے کبھی پیدا ہوئے ہیں نہ ہو سکتے

ہیں۔

آجکل یورپ کی تمام جنگ و جدل اور باہمی ہنگامہ آرائی اور تقابل کا وہ پتھر جس سے ان کی دولت اور تہذیب و تمدن کا شیشہ چور چور ہو رہا ہے' یہی تنگ و محدود وطنیت و قومیت کا عقیدہ ہے' یہ وہ دیوتا ہے جس پر یورپ کی تمام قومیں بھینٹ چڑھ رہی ہیں۔ ہر قوم کے تمام دولت مندوں کی دولتیں' تمام عالموں کا علم تمام سائنسدانوں کی سائنس' تمام صناعوں کی صنعتیں' تمام موجدوں کی ایجادیں' اپنی قوم کے سوا دنیا کی دوسری انسانی قوموں کی گردنیں' غلامی' بربادی' اور ہلاکت میں صرف ہو رہی ہیں۔

آج نازازم اور فسزم کا دور ہے۔ جس نے ایک بدترین مذہب کی صورت اختیار کر لی ہے۔ جس میں ہر قسم کی حیوانی قوت کی نمائش' ہر قسم کی ہلاکت اور انسانی بربادی کا عجیب ترین منظر' اور قوت کے دیوتا کے سامنے ہر اخلاق اور قانون آئین کی قربانی کا تماشہ سب کے سامنے ہے۔ یہ جو کچھ ہے' یہ وہی قومیت اور وطنیت کی خونخوار بت پرستی کا عبرتناک نظارہ ہے' جس سے نوع انسانی کی کسی بھلائی کی توقع نہیں ہو سکتی۔

# اقتصادی عقیدہ کا فریب

سوشلزم اور بالشوزم اور دوسرے اقتصادی خیالات سے بھی بھلائی کی توقع نہیں ہو سکتی کہ اس نے خود انسانوں کو سرمایہ دار و غیر سرمایہ دار دو مختلف حصوں میں تقسیم کر کے وہ سب کچھ کیا ہے اور کرنا چاہتی ہے جو کبھی کسی مذہب اور مذہبی محکمہ تفتیش نے انجام دیا ہے' قوموں کے ساتھ ان کی ناانصافی کا تماشا آج بھی دنیا ترکستان سے لے کر فن لینڈ تک دیکھ رہی ہے۔ اگر زبردستی کوئی بری چیز ہے تو مذہب سے زبردستی روکنا

بھی اتنی ہی بری چیز ہے' جتنا زبردستی سے کسی مذہب کو پھیلانا۔ اگر مسلمانوں کا گرجاؤں کا توڑنا' اور عیسائیوں کا مسجدوں کا منہدم کرنا ناجائز ہے' تو ملحدوں کا ان دونوں کو مسمار کرنا بھی ناجائز ہے۔

پھر ان تخیلات میں جن کی بنیاد محض پیٹ اور دولت کی منصفانہ تقسیم ہے کسی میں اتفاق نصب العین بننے کی کوئی صلاحیت نہیں ہے اسی لئے ان کا محدود اقتصادی نظریہ پورے نظام ہستی اور نظام زندگی کا معیار حق نہیں بن سکتا۔

ان سب کا ماحاصل یہ ہے کہ ضرورت تو یہ ہے کہ نسلیت وطنیت کے تنگ دائروں سے نکل کر جس عمومی تصور کو سنگ بنیاد ملت بنایا جائے' اس میں بقاء اور دوام کی صلاحیت ہو' سوسائٹیاں اور جماعتیں جن کی بنیاد کسی مادی خود غرضی اور منفعت اندوزی پر رکھی جائے' وہ ہمیشہ قائم نہیں رہ سکتیں' چنانچہ جب سے دنیا بنی ہے' خدا جانے مادی اغراض کی بناء پر کتنی جماعتیں اور مجلسیں قائم ہوئیں' اور مٹ گئیں' انجمنیں روز بنتی اور بگڑتی ہیں۔ اور سوسائٹیاں روز پیدا ہوتی ہیں اور مرتی ہیں۔ ایسی ناپائیدار اور سطحی چیزیں جامعیت ملت کی بنیاد اور اساس نہیں بن سکتی ہیں' اور نہ وہ ہمارے نظام حیات کا اصول اور معیار قرار پا سکتی ہیں۔

## صحیح ایمان کی ضروری خصوصیات

غرض یہ تعمیری اور دائمی اساس ملت اور صحیح بنیاد عمل بننے کے لئے ضروری ہے کہ جو چیز اساس و بنیاد قرار دی جائے۔ اس میں حسب ذیل خصوصیتیں ہوں۔

1- وہ کوئی مادی غرض وغایت کی چیز نہ ہو' جو ہمیشہ بدل جاتی رہے۔

2- وہ کوئی محدود وطنی و نسلی ملت نہ ہو جو اپنے نسل و وطن سے باہر جا کر زندہ

بدرہ سکے۔

3- وہ قومی، نسبی اور رنگی منافرتوں اور تفرقوں کو بیخ وبنیاد سے اکھاڑ کر تاقلیم اتحاد اور اخوت کی بنیاد ڈال سکے۔

4- وہ تخیل عقیدہ جو کہ ہمارے نیک افعال کا محرک اور برے افعال کا مانع ہے اور انسانوں کو نیکی کے لئے ابھار سکے اور برائی سے روک سکے۔

5- وہ ایک ایسا دائمی صحیح اور سچا عقیدہ ہو جس کو مان کر اس برادری میں داخل ہونے میں کسی کو دقت نہ ہو۔

6- وہ ایک طرف بندوں میں اپنے خالق کے ساتھ گرویدگی اور بندگی کا تعلق پیدا کرے اور دوسری طرف اپنی ہم جنس مخلوقات کے ساتھ محبت اور ادائے حقوق کا جذبہ پیدا کرے۔

# اسلام میں عقائد کی حقیقت اور اہمیت

ان چند عقلی مبادی کے ثبوت کے بعد اب آیئے اسلام کے اصول عقائد ومبادی کا جائزہ لیں اسلام میں جس حقیقت کو عقائد کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے وہ درحقیقت یہی چند ذہنی اصول ومبادی ہیں جو جماعت کا کریڈ اور تمام انسانی افکار وخیالات کی بنیاد واساس ہیں انسان کے تمام افعال اعمال اور حرکات اسی محور کے گرد چکر لگاتے ہیں یہی وہ نقطہ ہے جس سے انسانی عمل کا ہر خط نکلتا ہے اور اس کے دائرہ حیات کا ہر خط اسی پر جاکر ختم ہوتا ہے کیونکہ ہمارے تمام افعال اور حرکات ہمارے ارادوں کے تابع ہیں ہمارے ارادوں کا محرک ہمارے خیالات اور جذبات ہیں اور ہمارے خیالات اور جذبات پر ہماری اندرونی عقائد حکومت کرتے ہیں عام بول چال میں انہیں

چیز جس کی تعبیر ہم "دل" کے لفظ سے کرتے ہیں، اسلام نے بتایا کہ انسان کے تمام اعضاء میں اس کا دل ہی نیکی اور بدی کا گھر ہے، فرمایا:

الا وان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد کلہ واذا فسدت فسد الجسد کلہ الا وھی القلب
(صحیح بخاری کتاب الایمان)

انسان کے بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جو اگر درست ہے تو تمام بدن درست ہے اور اگر وہ بگڑ گیا تو تمام بدن بگڑ گیا اور وہ ٹکڑا دل ہے

قرآن پاک نے دل (قلب) کی تین کیفیتیں بیان کی ہیں، سب سے پہلے قلبٌ سلیمٌ (سلامت رو دل) جو ہر گناہ سے پاک رہ کر بالطبع نجات اور سلامت روی کے راستے پر چلتا ہے، دوسرا اس کے مقابل میں قلبٌ آثمٌ[1] (گنہگار دل) یہ وہ ہے جو ہمیشہ گناہوں کی راہ اختیار کرتا ہے، اور تیسرا قلبٌ مُنیبٌ (رجوع ہونے والا دل) یہ وہ ہے جو اگر کبھی بھٹکتا اور بے راہ بھی ہوتا ہے تو فوراً نیکی اور حق کی طرف رجوع ہو جاتا ہے، غرض یہ سب نیرنگیاں اسی ایک بے رنگ شے کی ہیں جس کا نام دل ہے، ہمارے اعمال کا ہر محرک ہمارے اسی دل کا ارادہ اور نیت ہے، اسی کی بھاپ کی طاقت سے اس مشین کا ہر پرزہ چلتا اور حرکت کرتا ہے، اسی لئے آپ نے فرمایا:

اِنَّمَا الاَعْمَالُ بِالنِّیَّات
(صحیح بخاری آغاز کتاب)

تمام کاموں کا دارومدار نیت پر ہے۔

اسی مطلب کو دوسرے الفاظ میں آپ نے یوں ادا فرمایا:

---

(۱) قرآن پاک کی آیت میں ہے: فانہ آثم قلبہ

| | |
|---|---|
| انما لامرئ ما نوى فمن | ہر شخص کے کام کا ثمرہ وہی ہے جس کی وہ نیت |
| كانت هجرته الى دنيا | کرے تو جس کی ہجرت کی غرض دنیا کا حصول |
| يصيبها او الى امراة ينكحها | یا کسی عورت سے نکاح کرنا ہے تو اس کی ہجرت |
| فهجرته الى ما هاجر اليه | اسی کے لئے ہے جس کیلئے اس نے ہجرت کی |
| (صحیح بخاری آغاز کتاب) | (یعنی اس سے ثواب حاصل نہ ہوگا) |

آج کل علم نفسیات نے بھی اس مسئلہ کو بداہتہً ثابت کر دیا ہے کہ انسان کی عملی اصلاح کے لئے اس کی قلبی اور دماغی اصلاح مقدم ہے۔ اور انسان کے دل اور ارادہ پر اگر کوئی چیز حکمران ہے تو وہ اس کا عقیدہ ہے صحیح اور صالح عمل کے لئے ضروری ہے کہ چند صحیح اصول و مقدمات کا ہم اس طرح تصور کریں کہ وہ دل کا غیر مشکوک یقین اور غیر متزلزل عقیدہ بن جائیں اور اسی صحیح یقین اور مستحکم عقیدہ کے تحت میں ہم اپنے تمام کام انجام دیں۔

جس طرح اقلیدس کی کوئی شکل چند اصول موضوعہ اور اصول متعارفہ کے مانے بغیر نہ بن سکتی ہے' نہ ثابت ہو سکتی ہے' اسی طرح انسان کا کوئی عمل صحیح اور درست نہیں ہو سکتا' جب تک اس کے لئے بھی چند مبادی اور چند اصول موضوعہ ہم پہلے تسلیم نہ کر لیں جن کو ہم عقیدہ کہتے ہیں۔

بظاہر عقل ہمارے ہر کام کیلئے ہم کو رہنما نظر آتی ہے' لیکن غور سے دیکھئے کہ ہماری عقل بھی آزاد نہیں۔ وہ ہمارے دلی یقین' ذہنی رجحانات' اور اندرونی جذبات کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے۔ اسی لئے اس پابہ زنجیر عقل کے ذریعہ ہم اپنے دلی خیالات' ذہنی رجحانات اور اندرونی جذبات پر قابو نہیں پا سکتے' اگر پا سکتے ہیں تو اپنے صحیح' دلی یقینیات اور چند مضبوط دماغی و ذہنی تصورات کے ذریعے' یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک نے "ایمان" کا ذکر ہمیشہ عمل صالح کے ذکر سے پہلے لازمی طور سے کیا ہے۔ اور

ایمان کے بغیر کسی عمل کو قبول کے قابل نہیں سمجھا ہے کہ ایمان کے عدم سے دل کے ارادہ اور خصوصاً اس مخلصانہ ارادہ کا بھی عدم ہو جاتا ہے۔ جس پر حسن عمل کا دارومدار ہے۔ عبداللہ بن جدعان ایک قریشی تھا۔ جس نے جاہلیت میں بہت سے نیکی کے کام کئے تھے لیکن بایں ہمہ مشرک تھا۔ اس کی نسبت آنحضرت صلعم سے حضرت عائشہؓ نے ایک دفعہ دریافت کیا کہ "یارسول اللہ! عبداللہ بن جدعان نے جاہلیت میں جو نیکی کے کام کئے کیا ان کا ثواب ان کو ملے گا" فرمایا "نہیں اے عائشہؓ کیونکہ کسی دن اس نے یہ نہیں کہا کہ بار الٰہا! میرے گناہوں کو قیامت میں بخش دے"(۱)

بدر کی لڑائی کے موقع پر ایک مشرک نے جس کی بہادری کی دھوم تھی حاضر ہو کر کہا "اے محمد ﷺ! میں بھی تمہاری طرف سے لڑنے کے لئے چلنا چاہتا ہوں کہ مجھے بھی غنیمت کا کچھ مال ہاتھ آئے" فرمایا۔ کیا تم اللہ عزوجل اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہو؟" اس نے جواب دیا "نہیں" فرمایا "واپس جاؤ کہ میں اہل شرک سے مدد کا خواستگار نہیں۔" دوسری دفعہ وہ پھر آیا اور وہی پہلی درخواست پیش کی۔ مسلمانوں کو اس کی شجاعت و بہادری کی وجہ سے اس کی اس درخواست سے بڑی خوشی ہوئی اور وہ دل سے چاہتے تھے کہ وہ ان کی فوج میں شریک ہو جائے لیکن آنحضرت صلعم نے اس سے پھر وہی سوال کیا کہ "کیا تم کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان ہے؟" اس نے پھر نفی میں جواب دیا" آنحضرت صلعم نے پھر وہی فرمایا کہ "میں کسی مشرک سے مدد نہیں لوں گا" غالباً مسلمانوں کی تعداد کی کمی اور اس کی بہادری کے باوجود اس سے آپ کی بے نیازی کی اس کیفیت نے اس کے دل پر اثر کیا" تیسری دفعہ جب اس نے اپنی درخواست پیش کی اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ "تم کو خدا اور رسول ﷺ پر ایمان ہے؟" تو اس نے اثبات میں جواب دیا" تو اسلامی فوج میں ایک مجاہد کی حیثیت سے اس کو داخل ہونے کی اجازت ملی"(۲) اس سے یہ ظاہر ہو گیا کہ جماعت میں داخل ہونے کے لیے اس کے شرائط اور عقیدہ کو تسلیم کرنا اس جماعت کی مضبوطی کی

---

(۱) مسند ابن ابی شیبہ "قربات" نسخہ قلمی دار المصنفین و ابن حنبل جلد ۶ صفحہ ۱۲۰ مصر

(۲) صحیح مسلم باب غزوات جلد دوم صفحہ ۱۰۶ مصر

سب سے پہلی شناخت ہے۔
غرض اسلام کے نقطہ نگاہ سے بھی ایمان ہی ہمارے تمام اعمال کی اساس ہے۔ جس کے بغیر ہر عمل بے بنیاد ہے' وہ ہماری سیرت کا اصلی سرچشمہ ہے جس کے فقدان سے ہمارے کاموں کی حقیقت سراب سے زیادہ نہیں رہتی۔ کیونکہ وہ دیکھنے میں تو کام معلوم ہوتے ہیں۔ مگر روحانی اثر و فائدے سے خالی اور بے نتیجہ ہوتے ہیں' خدا کے وجود کا اقرار اور اس کی رضامندی کا حصول ہمارے اعمال کی غرض و غایت ہے' یہ نہ ہو تو ہمارے تمام کام بے نظام اور بے مقصد ہو کر رہ جائیں' وہ ہمارے دل کا نور ہے' وہ نہ ہو تو پوری زندگی میں وہ تاریک نظر آئے اور ہمارے تمام کاموں کی بنیاد ریا' نمائش' جاہ پسندی' خود غرضی اور شہرت طلبی وغیرہ کے دلی جذبات اور پست محرکات کے سوا کچھ اور نہ رہ جائے۔

# ایمان کے اجزاء

اسلام نے چونکہ علم و عمل' تصور اور فعل' عقلیت اور عملیت میں لزوم قائم کیا ہے اور عقائد کی راہ سے بھی اصل زور انسان کی عملیت پر صرف کیا ہے اس لئے اس نے عقائد کے اتنے ہی حصے کا یقین و اقرار ضروری قرار دیا ہے' جو عمل کی بنیاد' اخلاق و عبادات کی اساس قرار پا سکے' اور دل کی اصلاح و تزکیہ میں کام آ سکے' اور اسی لئے اس نے عقائد کے فلسفیانہ الجھاؤ اور تصورات و نظریات کی تشریح و تفصیل کر کے عملیت کو برباد نہیں کیا' چند سیدھے سادے اصول ہیں' جو تمام ذہنی سچائیوں' اور واقعی حقیقتوں کا جوہر اور خلاصہ ہیں' اور ان ہی پر یقین کرنے کا نام ایمان ہے اور صریح الفاظ میں اس ایمان کے صرف پانچ اصول تلقین کئے۔ (۱) خدا پر ایمان' (۲) خدا کے

فرشتوں پر ایمان، (۳) خدا کے رسولوں پر ایمان، (۴) خدا کی کتابوں پر ایمان، اور (۵) اعمال کی جزا اور سزا کے دن پر ایمان۔

## اُن اجزائے ایمانی کی حکمت

اللہ تعالیٰ پر ایمان کہ وہ اس دنیا کا تنہا خالق اور مالک ہے، اور ہر ظاہر و باطن سے آگاہ ہے تاکہ ذاتِ باری ہمارے تمام کاموں کا قبلۂ مقصود قرار پا سکے اور اس کی رضا جوئی اور اس کی مرضی کی تعمیل ہمارے اعمال کی تنہا غرض و غایت ہو، اور ہم جلوت کے سوا خلوت میں بھی گناہوں اور برائیوں سے بچ سکیں۔ اور ہر نیکی کو اس لئے کریں اور ہر برائی سے اس لئے بچیں کہ یہی ہمارے خالق کا حکم اور یہی اس کی مرضی ہے تاکہ اس طرح اعمال ناپاک اغراض اور ناجائز خواہشوں سے مبرا ہو کر خالص ہو سکیں، اور جس طرح ہمارے جسمانی اعضاء گناہوں سے پاک ہوں، ہمارا دل بھی ناپاک خیالات اور ہوا و ہوس کی آمیزش سے پاک ہو، اور اس کے احکام اور اس کے پیغام کی سچائی پر دل سے ایسا یقین ہو کہ ہمارے ناپاک جذبات، ہمارے غلط استدلالات، ہماری گمراہ خواہشیں بھی اس یقین میں شک اور تذبذب پیدا نہ کر سکیں۔

خدا کے رسولوں پر بھی ایمان لانا ضروری ہے کہ خدا کے ان احکام اور ہدایات اور اس کی مرضی کا علم انہی کے واسطے سے انسانوں کو پہنچا ہے، اگر اس کی صداقت، سچائی اور راستبازی کو کوئی تسلیم نہ کرے تو پیغام ربانی اور احکام الٰہی کی صداقت اور سچائی بھی مشکوک و مشتبہ ہو جائے اور انسانوں کے سامنے نیکی، نزاہت اور معصومیت کا کوئی نمونہ موجود نہ رہے، جو انسانوں کے قوائے عملی کی تحریک کا باعث بن سکے، پھر اچھے اور برے، صحیح اور غلط کاموں کے درمیان ہماری عقل کے سوا جو ہمارے جذبات کی محکوم ہے کوئی اور چیز ہمارے سامنے ہماری رہنمائی کے لئے نہیں ہو گی۔

خدا کے فرشتوں پر بھی ایمان لانا واجب ہے کہ وہ خدا اور اس کے رسولوں

کے درمیان قاصد اور سفیر ہیں، مادیت اور روحانیت کے مابین واسطہ ہیں، مخلوقات کو
قانون الٰہی کے مطابق چلاتے ہیں اور ہمارے اعمال و افعال کے ایک ایک حرف کو ہر دم
اور ہر لحظہ "ریکارڈ" کرتے جاتے ہیں، تاکہ ہم کو ان کا صلہ اعمال و ثمرہ مل سکے۔

خدا کے احکام و ہدایات جو رسولوں کے ذریعہ انسانوں کو پہنچائے گئے ہیں ان
کو دور دراز ملکوں اور آئندہ نسلوں تک پہنچانے کے لئے ضروری ہوا کہ وہ تحریری
شکلوں میں یعنی کتابوں اور صحیفوں میں یا الفاظ و آواز سے مرکب ہو کر ہمارے سینوں میں
محفوظ رہیں۔ اس لئے خدا کی کتابوں اور صحیفوں کی صداقت پر اور جو کچھ ان میں ہے اس
کی سچائی پر ایمان لانا ضروری ہے، ورنہ رسولوں کے بعد خدا کے احکام اور ہدایتوں کے
جاننے کا ذریعہ مسدود ہو جائے اور ہمارے لئے نیکی اور بدی کی تمیز کا کوئی ایسا معیار باقی
نہ رہے جس پر تمام ادنیٰ و اعلیٰ، جاہل و عالم، بادشاہ اور رعایا سب متفق ہو سکیں۔

اعمال کی بازپرس اور جوابدہی کا یقین اور اس کے مطابق جزا اور سزا کا خیال نہ ہو
تو دنیاوی قوانین کے باوجود دنیا کی انسانیت سراپا درندگی اور بہیمیت بن جائے۔ یہی وہ
عقیدہ ہے جو انسانوں کو جلوت و خلوت میں ان کی ذمہ داری محسوس کراتا ہے، اس لئے
روز جزا اور یوم آخرت پر ایمان رکھے بغیر انسانیت کی صلاح و فلاح ناممکن ہے، اور اسی
لئے محمد رسول اللہ صلعم کی تعلیم نے اس پر بے حد زور دیا ہے بلکہ مکہ کی وحی کا بیشتر حصہ
اسی کی تلقین اور تبلیغ پر مشتمل ہے۔

یہی پانچ باتیں اسلام کے ایمانیات کے اصلی عناصر ہیں یعنی اللہ تعالیٰ پر، اس کے
تمام رسولوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے فرشتوں پر اور روز جزا پر ایمان لانا۔ یہ عقائد
ضمناً یکجا طور پر سورۃ بقرہ میں متعدد دفعہ کہیں مجمل اور کہیں مفصل بیان ہوئے ہیں۔

اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ
(بقرہ۔۱)

جو لوگ غیب (خدا تعالیٰ کی صفات اور ما لکھے) پر ایمان رکھتے ہیں۔

وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ (بقرہ۔۱)
وَبِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ
(بقرہ۔۱)

اور جو کچھ تم پر (اے محمد ﷺ) اترا اور تم سے پہلے (پیغمبروں پر) اترا اس پر یقین رکھتے ہیں (یعنی انبیاء اور ان کی کتابوں پر) اور آخرت (روز جزا) پر یقین رکھتے ہیں۔

یہ تو سورۃ کے آغاز کی آیتیں ہیں، سورۃ کے بیچ میں پھر ارشاد ہوا۔

وَلٰکِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ وَالْکِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ
(بقرہ۔۲۲)

اور نیکی یہ ہے کہ جو شخص خدا پر، آخری دن پر، فرشتوں پر اور کتاب پر اور سب نبیوں پر ایمان لائے۔

سورۃ کے آخر میں ہے۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْہِ مِنْ رَّبِّہٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ
(بقرہ۔۴۰)

پیغمبر پر جو کچھ اتارا گیا اس پر وہ خود اور تمام مسلمان ایمان لائے یہ سب لوگ خدا پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اور اس کے پیغمبروں پر ایمان لائے

سورۂ نساء میں ان ہی عقائد کی تعلیم ہے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَالْکِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی

اے لوگو! جو ایمان لا چکے ہو ایمان لاؤ خدا پر اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اس نے

وَرَسُولِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ؕ

اپنے رسول پر اتاری اور جو کتاب پہلے اتاری اور جو شخص خدا کا، اس کے فرشتوں کا، اس کی کتابوں کا، اس کے پیغمبروں کا، اور روز آخرت کا انکار کرے وہ سخت گمراہ ہوا۔

# ایمان و عمل کا تلازم

سچے ایمان اور حسن عمل درحقیقت لازم و ملزوم ہیں۔ اگر کوئی یہ کہے کہ ایک مومن بدکار ہو سکتا ہے یا نہیں؟ تو یہ سوال حقیقت میں خود تضاد کو مستلزم ہے اس لئے احادیث میں آتا ہے کہ کوئی مومن ہو کر بدکاری اور چوری نہیں کر سکتا اگر کرتا ہے تو اس وقت اس کا ایمان مسلوب ہو جاتا ہے اور یہ بالکل واضح ہے کہ جب کوئی مومن برائی کرنا چاہتا ہے تو اس کے ایمان یعنی اصول اور جذبات فاسدہ کے درمیان کشمکش ہوتی ہے۔ تھوڑی دیر یہ لڑائی قائم رہتی ہے اگر ایمان اور اصول نے فتح پائی تو وہ اپنے کو بچا لیتا ہے اور اگر جذبات غالب آتے ہیں تو ایمان اور اصول کا نقش اس وقت سب کر اس کی نظر سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ اس بناء پر سچا "مومن" و "بدکردار ہو" یہ ممکن ہی نہیں اگر ہے تو حقیقت میں ایمان ہی کامل نہیں۔ یہاں بحث رسمی ایمان و مومن سے نہیں بلکہ اس ایمان سے ہے۔ جسکے معنی غیر متزلزل یقین اور ناقابل شک اعتقاد کے ہیں، جہاں کہیں رسمی و ظاہری ایمان کے ساتھ برائی اور بدکرداری کا وجود ہے وہ درحقیقت ایمان کا نقص اور یقین کی کمی کے باعث ہے عمل صالح کی کمی بھی ایمان ہی کی کمی کا نتیجہ ہے۔

# ایمان کے بغیر کوئی عمل درست نہیں

لیکن بہر حال عقلی فرض اور دینی ایمان کے لحاظ سے یہ سوال ہو سکتا ہے کہ یہ مانا جا سکتا ہے کہ ایک بدکردار مومن اور نیک اخلاق کافر و مشرک میں اگر پہلا نجات کا مستحق ہے اور دوسرا نہیں ہے تو ایسا کیوں ہے؟ اس کا جواب شرعی اور عقلی دونوں حیثیتوں سے بالکل ظاہر ہے۔ اسلام نے نجات کا مدار ایمان اور عمل دونوں پر رکھا ہے جیسا کہ قرآن کہتا ہے۔

| | |
|---|---|
| إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِي خُسْرٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ (عصر) | بے شک کل انسان گھاٹے میں ہیں مگر وہ جو ایمان رکھتے ہیں اور اچھے کام کرتے ہیں۔ |

اس لئے کامل نجات کا مستحق وہی ہے جو مومن بھی ہے اور نیک کردار بھی ہے لیکن اگر ایسا نہ ہو تو خدا کفر و شرک کے گناہ کے سوا اپنے بندوں کو ہر گناہ جو ہے تو معاف کر سکتا ہے البتہ شرک و کفر کو معاف نہ فرمائے گا اور اس کی سزا ضرور دیدے گا چنانچہ ارشاد ہے

| | |
|---|---|
| إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَاءُ ۚ وَمَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدِ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا (نساء ۷) | بے شک خدا اس کو معاف نہ کرے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس کے سوا دوسرے گناہ جس کو چاہے گا معاف کر دے گا۔ |

ایک اور آیت میں مشرکوں کے متعلق یہ قطعی طور پر فرمایا۔

| | |
|---|---|
| إِنَّهُ مَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ (مائدہ ۱۰) | "مطلب یہ بات ہے کہ جو اللہ کے ساتھ شرک کریگا تو اللہ نے اس پر اپنی جنت حرام کی ہے" |

قرآن پاک نے ان لوگوں کے کاموں کی مثال جو ایمان سے محروم ہیں اس راکھ سے دی ہے جس کو ہوا کے جھونکے اڑا اڑا کر فنا کر دیتے ہیں اور ان کا کوئی وجود پھر باقی نہیں رہتا۔

اسی طرح وہ شخص جو ایمان سے محروم ہیں ان کے کام بھی بے بنیاد اور بے اصل ہیں۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ِۨاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ۭ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰي شَيْءٍ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ۔
(ابراہیم ۱۸)

جنہوں نے اپنے پروردگار کا انکار کیا ان کے کاموں کی مثال اس راکھ کی ہے جس پر آندھی والے دن زور سے ہوا چلی، وہ اپنے کاموں سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے، یہی سب سے بڑی گمراہی ہے۔

سورۂ نور میں ایمان کی دولت سے محروم لوگوں کے اعمال کی مثال سراب سے دی گئی ہے کہ اس کے وجود کی حقیقت فریب نظر سے زیادہ نہیں۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۢ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَاۗءً ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَـيْـــًٔـا ۔
(نور ۵)

جنہوں نے خدا کا انکار کیا ان کے کام سراب کی طرح ہیں، جو میدان میں ہو، جس کو پیاسا پانی سمجھتا ہے، یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس پہنچے تو وہاں کسی چیز کا وجود اس کو نظر نہ آئے۔

ان کی ایک اور مثال ایسی سخت تاریکی سے دی گئی ہے جس میں ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا اور جس میں ہر قسم کے حواس اور اعضاء کی سلامتی کے باوجود ان سے فائدہ اٹھانا ممکن ہے

اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰـىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ۭ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ۭ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ۭ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ
(نور )

یا ان کے کاموں کی مثال ایسی ہے جیسے کسی گہرے سمندر میں سخت اندھیرا ہو اس کے اوپر موج اور موج پر پھر موج اور اس کے اوپر بادل گھرا ہو، یہ اندھیرا ہے کہ اس میں ہاتھ نکالے تو وہ بھی سجھائی نہ دے جس کو خدا نے نور نہ دیا اس کیلئے کوئی نور نہیں۔

بالغرض ایمانیات کے بغیر عمل کی بنیاد کبھی بھی ان صحیح شکلوں پر قائم نہیں ہو سکتی، اس لئے ریا، نمائش اور خود غرضی کے کاموں کو کوئی عزت نہیں دی جاتی، وہ کام جو کو بظاہر نیک ہوں لیکن کرنے والے کا ان سے اصل مقصد نام و نمود پیدا کرنا ہوتا ہے، اخلاقی نقطہ نظر سے تمام دنیا ان کو بے وقعت اور ہیچ سمجھتی ہے، اسی بنا پر آنحضرت صلعم کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو متنبہ کیا اور فرمایا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَاۗءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ۭ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰي شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ (بقرہ ۲۶۴)

اے ایمان والو! اپنی خیراتوں کو احسان اور تکلیف دے کر اس طرح برباد نہ کرو، جس طرح وہ برباد کرتا ہے جو لوگوں کے دکھانے کیلئے اپنا مال خرچ کرتا ہے اور خدا پر (جو نیکیوں کی جزا دیتا ہے) اور قیامت پر (جس میں نیکیوں کی جزا ملے گی) یقین نہیں کرتا، اس کی خیرات کی مثال اس چٹان جیسی ہے، جس پر کچھ مٹی پڑی ہو اور اس پر پانی برسا تو مٹی دھل گئی اور پتھر رہ گیا، جس پر کچھ بویا جائے اگایا نہ جا سکے گا۔

## مومن و کافر کا فرق

اس تفصیل سے معلوم ہوگا کہ ایک بدکردار رسمی مومن کے لئے نجات کی امید ممکن ہے لیکن ایک حقیقی کافر و مشرک کیلئے نہیں۔ اور اس کی عقلی وجہ ظاہر ہے ایک بدکردار رسمی مومن اور حقیقی کافر و مشرک کے درمیان وہی فرق ہے جو ایک چور اور ڈاکو کے درمیان ہے، ہر قانون داں جانتا ہے کہ ان دونوں میں قانون کی نظر میں کون مجرم زیادہ ہے، چور گو برائی کرتا ہے تاہم حکومت کا خوف اسکے دل میں ہے، مگر ڈاکو حکومت سے برسر پیکار ہو کر قتل و غارت کا مرتکب ہوتا ہے، اس لئے ڈاکو، چور سے زیادہ سزا کا مستحق ہے، بدکردار رسمی مومن گو گنہگار ہے مگر کبھی کبھی خوف الٰہی سے تھرا جاتا ہے، کبھی کبھی خدا کی بارگاہ میں گڑگڑاتا ہے، اور کبھی اپنے گناہوں پر خدا

کے حضور میں شرمندہ اور نادم بھی ہوتا ہے۔ مگر کافر و مشرک اگر کچھ اچھے کام بھی کریں، تاہم اپنی دوسری برائیوں کے استغفار کیلئے خدا کے سامنے سرنگوں نہیں ہوتے، وہ خدا نام کسی ہستی کے قائل ہی نہیں، جس کے خوف سے وہ تھرائیں، جس کی بارگاہ میں وہ گڑگڑائیں، اور جس کی محبت میں سرشار ہو کر وہ اس کے احکام کی تعمیل کریں، اس لئے اس مجرم کیلئے جس نے کسی مجبوری سے معذور ہو کر چھپ کر کسی قانون سلطنت کی نافرمانی کی رحم و بخشش کا موقع ہے، لیکن اس باغی کیلئے جو سرے سے سلطان وقت کو اور اسکے قانون کو تسلیم نہیں کرتا رحم و بخشش کی کوئی جگہ نہیں ہے۔

لیکن یہ محض ایک تمثیل تھی ورنہ ظاہر ہے کہ خدا کو اس کی حاجت نہیں کہ اس کے بندے اس کی حکومت کو تسلیم کریں ان اللہ غنی عن العالمین (بیشک خدا دنیا سے بے نیاز ہے)

بہرحال اصل یہ ہے کہ ایک کافر و مشرک اس اصول کار کو تسلیم نہیں کرتا، جس پر مذہبی نیکیوں کی بنیاد ہے، اور ایک رسمی مومن اس اصول کو تسلیم کرتا ہے اس کی نسبت توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ آج نہیں تو کل عمل بھی کرے گا لیکن جو سرے سے اصول کا مخالف ہے اس کے لوٹنے کے لئے ابھی بڑی دشوار منزل باقی ہے۔

# ایمان یعنی اساس ملت اور بنیاد عمل کی اہمیت

اس خالص مذہبی نقطۂ نظر سے ہٹ کر بھی اگر مومن و کافر کے باہمی فرق و امتیاز پر غور کیا جائے تو ظاہر ہوگا کہ بہت سے بظاہر نیک لوگوں کو جو کافر ہیں اپنے سے الگ کرنا پڑتا ہے اور بہت سے بظاہر برے لوگوں کو جو مومن ہیں اپنے اندر داخل کرنا پڑتا ہے، تاہم اس موقع پر اس نکتہ کو فراموش کر دیا جاتا ہے کہ اس "اپنے" اور "غیر" کی وجہ تقسیم کیا ہے؟ جب اس وجہ تقسیم کو ہم سامنے رکھیں گے تو ہم کو ناگزیر طور پر ایسا کرنا ناگزیر ہوگا۔ وجہ تقسیم خیرات کرنے والا اور نہ خیرات کرنے والا، یا جھوٹ بولنے والا اور نہ جھوٹ بولنے والا نہیں ہے بلکہ ایک خدا پر ایمان رکھنے والا اور ایک دستور العمل (قرآن) کو صحیح ماننے والا ہے اس بناء پر اس وجہ تقسیم کی بناء سے ایسا ہونا لازم ہے۔

یہ طریقہ امتیاز کچھ اسلام یا مذہب کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر تحریک ہر جماعت اور ہر اصول سیاست بلکہ تمام انسانی تحریکات اور جماعتوں کا اصول تقسیم یہی ہے۔ ہر تحریک کا ایک نصب العین اور ہر جماعت کا ایک عقیدہ (کریڈ) ہوتا ہے۔ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اس کریڈ کے مطابق پورے جوش و خروش کے ساتھ عمل کرتے ہیں۔ یہ اس مذہب کے مومنین اور صالحین ہیں۔ دوسرے وہ ہیں جو اس کریڈ کو صحیح تسلیم کرتے ہیں مگر تغافل، سستی یا کسی اور عارضی سبب سے اس کریڈ کے مطابق عمل نہیں رکھتے، یہ اس مذہب کے غیر صالح مومنین ہیں، لیکن ایک تیسری جماعت ہے جو سرے سے اس کریڈ ہی کو تسلیم نہیں کرتی اور نہ اسکو معیار عمل قرار دیتی ہے۔ گو اس تیسری جماعت کے بعض افراد بڑے فیاض و مخیر ہونے یا بڑے عالم و فاضل ہوں، تاہم اس جماعت کے دائرہ کے اندر جس کا وہ کریڈ ہے ان کیلئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ کیا یہی وجہ نہیں کہ ایک سیاسی جماعت کے کریڈ پر یقین رکھنے والا اور اس کے مطابق کرنے والا اور وہ بھی جو نفس کریڈ کو تسلیم کرتا ہے مگر اس کے مطابق عمل پیرا نہیں اس جماعت کے حلقوں میں جگہ پا سکتا ہے؟ مگر وہ جو اس کریڈ ہی کو صحیح باور نہیں کرتا، اس کے احاطہ میں کوئی جگہ پانے کا مستحق نہیں ہے اسی پر ہر جماعت کے اصول کو قیاس کیا جا سکتا ہے۔

اصل یہ ہے کہ جب تک کوئی جماعت اپنے اصول کار، اساسی جماعت اور عقیدہ کو اتنی اہمیت نہ دے کہ اس کی اہمیت جو سب اہمیتوں سے بڑھ کر ہونی چاہیے قائم نہیں رہ سکتی۔ اور ملت کی وہ دیوار جس کو اس قدر سخت اور مستحکم ہونا چاہیے کہ باہر کے سیلاب کا ایک قطرہ بھی اس کے اندر نہ جا سکے اگر اس میں اصول و عقیدہ اور ایمان کا مطالبہ کئے بغیر ہر کس و ناکس کو داخلہ کی اجازت دے دی جائے تو اس مستحکم دیوار میں یقیناً رخنے پڑ جائیں گے اور وہ ایک لمحہ کیلئے بھی کسی سیلاب کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور وہ

جماعت ایسے پراگندہ اصول والے افراد کا مجموعہ ہوگی جس کو کسی اتحاد و اشتراک اور جامعیت کا رشتہ باہم متحد و مشترک مجموعہ نہیں کرتا۔

مستحکم جماعتیں وہ ہیں جو اپنے کریڈ پر شدت کے ساتھ جمی رہتی ہیں۔ ورنہ جو اس کریڈ کو تسلیم نہیں کرتا، رکن جماعت نہ ہونے کی حیثیت سے وہ ان کی جماعتی برادری میں کوئی اعزاز نہیں رکھتا۔ کیا ایک مسلمان جب کہ کسی سیاسی جماعت کا رکن ہو تو اس کیلئے تو اصول کار کی یہ سختی جائز بلکہ مستحسن ہو مگر وہی اسلامی جماعت کے ممبر کی حیثیت سے اپنے اخلاقی اصول کار، اساس ملت اور مذہبی وحدت میں یہ شدت روا رکھے تو کس عقل سے وہ ملامت کے قابل ٹھہرایا جائے، حالانکہ ہر دلی عقیدہ کا لازمی نتیجہ اسی قسم کی شدت اور استحکام ہونا چاہیے، پھر اگر ایک جگہ وہ ہو اور دوسری جگہ نہ ہو تو اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ ایک کو دل کے ساتھ جو تعلق ہے، وہ دوسرے کو نہیں۔

# نظام اسلام

اب اگر اسلام اور اسلام کے قانون اور مذہب کو سمجھنا ہے تو اس کی اصل بنیاد پر نظر رکھنا چاہیے، جس پر اس کی پوری عمارت تعمیر ہوئی ہے۔ وہ بنیاد اقتصادیات کا کوئی نکتہ، دولت کا کوئی خزانہ، نسل و رنگ کا کوئی امتیاز اور ملک و وطن کی کوئی تحدید نہیں ہے۔ بلکہ صرف ایک ہے، اور وہ دنیا کی سب سے بڑی، لازوال اور وسیع و ہمہ گیر صداقت یعنی خدائے واحد پر ایمان ہے، یہی ہے اسلام کی ملت اور برادری کا اصل رشتہ، اسی سے اس کے مذہب اور اس کے قانون کی تمام تقسیمیں اور امتیازات کی حدیں قائم ہوتی ہیں۔ اس کی حیثیت اسلام کی مملکت میں وہ ہے جو کبھی روم میں رومیت کی اور آج روس میں اصول بالشویت کی ہے۔

اس برادری کے ربانی اور دنیاوی حقوق کو حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس جماعت کے نظام سوسائٹی پر دستخط کرے اور اس کے کریڈ کو دل و جان سے قبول کرے۔ آج تمام مہذب دنیا کسی عالمگیر برادری کی بنیاد کو تلاش کرنے میں حیران و سرگرداں ہے مگر نہیں ملتی حالانکہ ساڑھے تیرہ سو برس پہلے کی طرح آج بھی اسلام یہ آواز بلند کر رہا ہے:

"اے اہل کتاب آؤ! ہم اس ایک بات پر متفق ہو جائیں جو ہمارے اور تمہارے نزدیک یکساں ہے کہ خدائے واحد کے سوا کسی اور کی پرستش نہ کریں اور خدا کو چھوڑ کر ہم ایک دوسرے کو ارباب نہ بنائیں"

یہی توحید اسلام کا وہ نظام نامہ ہے جس پر اس کے دین اور اس کی دنیا دونوں کی بنیاد ہے۔

## توحید' دنیا کی غیر متبدل حقیقت

یہ توحید یعنی عرصۂ ہستی کا صرف ایک فرماں روائے مطلق ماننا جس کے سامنے ہر جسمانی اور روحانی طاقت ادب سے جھکی ہوئی ہے' اور اس کی بے عد فرماں ہے' اور ساری دنیا اسی ایک کی مخلوق و محکوم ہے' اور دنیا کی ساری قومیں اس کے آگے بحیثیت مخلوق کے برابر حیثیت رکھتی ہیں' دنیا کی وہ عظیم الشان حقیقت ہے جو سرتاپا صداقت اور حق ہے اور ایسی عالمگیر ہے جو عرصۂ وجود کے ایک ایک ذرہ کو محیط ہے' اور ایسی لازوال جس کو کبھی فنا نہیں اور ایسی کھلی اور واضح کہ جس کے تسلیم کرنے میں کسی کو عذر نہیں' اور ایسی غیر مجسم جو ہمارے اندر ہر قسم کی نیکیوں کی تحریک کرتی ہے۔ اور جو ایسی تسکین اور تسلی ہو جو ہر مصیبت اور مشکل کے وقت ہمارے لئے صبر و استقلال کی چٹان بن جاتی ہے' اور ایسا مضبوط اور مستحکم سررشتہ جو کسی وقت ٹوٹ نہیں سکتا' اور اس قدر وسیع کہ جس کے احاطہ عام کے اندر مخلوقات کی ایک ایک فرد داخل ہو کر اخلاقی حقوق و واجبات کی برادری قائم کر سکتی ہے۔ اور خالق و مخلوق دونوں کی وابستگی

اور محبت کا ذریعہ ثابت ہو سکتی ہے۔

غرض یہ ایسی عالمگیر حقیقت ہے، جو سر تاپا صداقت اور حق ہے، جو کبھی نہ بدل سکتی نہ بدلے گی، زبانوں میں جو انقلاب ہو، خیالات میں جو تغیر ہو، تمدنوں میں جو اتار چڑھاؤ ہو، قوموں میں جو تفرقے پیدا ہوں، مجازی حقیقتوں، مادی قاعدوں اور سیاسی ناتجوں میں جو اختلاف بھی پیدا ہو، مگر وہ ایک حقیقت ہے جو اپنی جگہ پر مسلم رہے گی، اور جس میں کوئی تغیر اور انقلاب پیدا نہ ہو گا کیونکہ اس کی بنیاد ایک ایسی لازوال ہستی کے یقین پر ہے، جو مادیات کی دنیا کی طرح دم بدم مٹتی اور بنتی، اور لحظہ بہ لحظہ متغیر اور منقلب نہیں۔

وہ ایک ایسی عالمگیر اور محیط ہستی کا تخیل ہے، جس کے احاطہ عام کے اندر تمام قومیں، تمام ملکتیں بلکہ تمام مخلوقات یکساں استحقاق کے ساتھ داخل ہیں اس کی ملکیت میں سیاہ و سپید، ترکی و رومی، ہندی و فرنگی، عربی و عجمی، امیر و غریب، عورت و مرد، شاہ پسند و جمہوریت پسند، حاکم و محکوم، آقا اور غلام، عالم اور جاہل، سب برابری کے ساتھ یکساں شامل ہیں اور اس سے ایسی برادری کا رشتہ قائم ہوتا ہے، جو قوموں میں میل، ملکتوں میں اتحاد اور مخلوقات میں فرائض و واجبات کا احساس پیدا کرتا ہے۔

وہ خود مجسم خیر، اور سر تاپا نیکی ہے، اس کی عقیدت اور محبت ہمارے اندر نیکیوں کی تحریک اور برائیوں کی نفرت پیدا کرتی ہے، تاریکی میں بھی اس کی دیکھنے والی آنکھوں اور خلوتوں میں بھی اس کی جھانکنے والی نگاہوں کا سچا عقیدہ، نازک سے نازک موقع پر بھی ہم کو برائیوں سے بچاتا اور نیکیوں کے لئے ابھارتا ہے۔

جب ہمارا سہارا ٹوٹ جاتا ہے، ہر اعتماد شکست ہو جاتا ہے اور ہر امید منقطع ہو جاتی ہے اور جب افراد و قوم کے صبر و استقلال کے پاؤں ڈگمگا جاتے ہیں، اور ان کے وجود کی کشتی منجدھار میں پھنس جاتی ہے، اس وقت اسی ایک کی مدد کا سہارا کام آتا ہے۔

اور اسی ایک کی نصرت کا وثوق فتح و ظفر سے ہم کنار کرتا ہے۔ اور مایوسیوں اور نا امیدیوں کے ہر بادل کو چھانٹ کر رحمت الٰہی کے نور سے آنکھوں کو پُر نور اور دلوں کو مسرور کر دیتا ہے۔

اب کوئی بتائے کہ کسی ایسی قوم کے لئے جو اپنے کو دائمی اور ہمیشہ کے لئے روئے زمین پر آئی ہو اور آخر الامم اور غیر منسوخ ملت ہونے کی مدعی ہو، اس کے اساس ملت بننے کے لئے ہر روز بدل جانے والے اور ہر صدی میں منقلب ہو جانے والے تخیلات اور نظریے کبھی اساس ملت قرار پا سکتے ہیں اور ایسی قوم کے لئے جو کسی نسل، کسی رنگت اور کسی تختہ زمین میں اپنے کو محدود نہ کرے، اس عالمگیر خدائی برادری سے بڑھ کر کوئی برادری مناسب ہو سکتی ہے۔

## عقیدہ توحید کی اخلاقی حیثیت

پھر ایسا عقیدہ جو تنہا ہماری ملت کا اساس حیات ہو بلکہ ہمارے عمل کی بھی بنیاد ہو، اس خلاق عالم اور علام الغیوب کے ایمان کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا ہے، یہ لازوال اور زندہ جاوید ہستی، ہماری ملت کو لازوال اور زندہ جاوید بناتی ہے، یہ عالمگیر اور محیط ہستی ہمارے اندر عالمگیر اخوت اور عمومی برادری کا رشتہ قائم کرتی ہے، وہ خیر مجسم اور سراپا نیک ہستی ہم کو خیر کی دعوت اور نیکی کی صدا دیتی ہے۔ اس کے کمالی اوصاف ہم کو اپنے اخلاقی کمال کا نصب العین عطا کرتے ہیں، اس کے اسماء حسنیٰ اور صفات کاملہ کا عقیدہ ہم کو ہر حیثیت سے حسین اور کامل بننے کا درس دیتا ہے۔

اس سے ظاہر ہو گا کہ خدا اور اس کی ذات و صفات پر اعتقاد محض نظریہ کی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ اس کی حیثیت تمام تر عملی ہے۔ اس کی صفات ہمارے اوصاف حسنہ کے لئے نمونہ ہیں اور اس کی عبادت کر کے ہم اپنے اعمال و اخلاق کی تصحیح

کے لئے تحریر اوراق کا مسطر ہیں۔

# خیر و شر کی تمیز

جس طرح دنیا کی دوسری چیزیں فی نفسہٖ نہ خیر ہیں نہ شر ہم ان کی خیر یا شر صرف ان کے موقع استعمال کے لحاظ سے کہتے ہیں۔ آگ فی نفسہٖ نہ خیر ہے نہ شر لیکن جب کوئی ظالم اس آگ سے کسی غریب کا جھونپڑا جلا کر خاک سیاہ کر دیتا ہے تو وہ شر ہو جاتی ہے۔ لیکن جب اسی آگ سے کوئی رحم دل انسان چولہا گرم کر کے کسی بھوکے کے لئے کھانا پکاتا ہے تو وہ خیر ہو جاتی ہے' اسی طرح نیک و بد افعال بظاہر یکساں ہیں' اور ان میں نیک و بد کی تمیز نہیں کی جا سکتی' جب تک کہ اس غرض و غایت کا لحاظ نہ کیا جائے جس کے لئے وہ کام کیا جاتا ہے۔ ایک ڈاکو کا ایک مسافر کو قتل کر دینا اور ایک حکومت کا کسی ڈاکو کو پھانسی دینا یکساں اتلاف جان کا فعل ہے' لیکن پھر دنیا اگر ایک کو خیر اور ایک کو شر کہتی ہے تو وہ اس غرض و غایت کی بنا پر ہے جس کے لئے یہ دونوں قتل کئے گئے ہیں' ڈاکو جب قتل کا مرتکب ہوا ہے' اس سے اس کا مقصود مسافر کے مال پر ظالمانہ قبضہ تھا اور اس راہ میں اس کے مالک کے ناحق قتل کا آخری نتیجہ راستہ کی بد امنی اور ملک کی ویرانی ہے۔ اور سزا دینے والی حکومت کی غرض لوگوں کی جان و مال کی حفاظت' راستہ کا امن' اور ملک کو آباد کرتا ہے' اس لئے پہلا فعل شر اور دوسرا خیر ہے۔

خیر و شر کی فلسفیانہ تحقیق' ان کی باہمی تمیز نہایت مشکل ہے' جس کو نہ ہر عامی و جاہل سمجھ سکتا ہے اور نہ اس سے متاثر ہو سکتا ہے۔ حالانکہ خیر و شر کے اکثر امور پر تمام دنیا متفق ہے۔ اس لئے مذہب نے ادنیٰ سے لیکر اعلیٰ تک کے لئے ایک آسان

اصول یہ وضع کر دیا کہ وہ تمام چیزیں جن کو خدائے تعالیٰ پسند کرتا ہے' خیر ہے اور جن کو ناپسند فرماتا ہے وہ شر ہے۔ اس کے اس اصول سے نہ خیر و شر کی حقیقت بدلتی ہے' نہ ان کے نفع و ضرر کا پہلو بدلتا ہے' نہ دنیا کے فائدے اور نقصان میں کمی بیشی ہوتی ہے' ہاں یہ ہوتا ہے کہ اس اصول کی تاثیر دلوں میں ایسی راسخ ہو جاتی ہے کہ جنگلی و صحرائی سے لیکر مہذب و تعلیم یافتہ تک اس اصول کے ماتحت خیر پر عمل کرنے اور شر سے بچنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ چنانچہ آج دنیا میں جس قدر بھی خیر کا وجود ہے' اور شر سے احتراز ہے وہ اسی پیغمبرانہ تعلیم کا نتیجہ ہے' فلسفیانہ تحقیق آفرینیوں کا نہیں' ارسطو اور ابن مسکویہ کے اصول اخلاق کو پڑھ کر اور سمجھ کر کتنے نیک اور خوش اخلاق پیدا ہوئے' اور عیسیٰ و محمد علیہما السلام کی تعلیم و تاثیر نے کتنوں کو خوش اخلاق اور نیک کردار بنایا' اور آج دنیا میں لندن و نیویارک کے بازاروں سے لے کر افریقہ کے صحراؤں اور جنگلوں اور ہندوستان کے دیہاتوں تک میں نیکی کی اشاعت اور برائی سے پرہیز کی تعلیم انبیاء کے پیروؤں کے ذریعہ ہو رہی ہے یا فلسفیوں کے؟ بالشویکوں کے ذریعہ انجام پا رہی ہے یا نازیوں کے؟ سوشلسٹوں کے ذریعہ یا فسسٹوں سے؟ دل کا چین' اخلاق کی طاقت اور عالمگیر انسانی برادری کی دولت اگر ممکن ہے تو وہ صرف اس توحید کے ذریعہ جس کی دعوت اسلام دیتا ہے۔ وہ اس ایمان کی بدولت جس کو اسلام دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے۔ جس کی وسعت میں ساری دنیا آرام کر سکتی ہے' اور جس کے سایہ میں انسانوں کے بنائے ہوئے سارے امتیازات مٹ جاتے ہیں' اور جس کی بنیاد اتنی مضبوط ہے کہ آسمان و زمین کی چولیں اپنی جگہ سے ہٹ جائیں تو ہٹ جائیں مگر وہ اپنی جگہ سے ہٹ نہیں سکتی۔

# خدا کا آخری پیغام

# خدا کا آخری پیغام

بسم اللہ الرحمان الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

# اسلام

اسلام دنیا میں خدا کا آخری پیغام ہے' وہ دنیا میں مذہب کی تکمیل ہے' وہ اپنے پیغمبر کے الفاظ میں دینِ الٰہی کی عمارت کا آخری پتھر ہے' وہ فطرت ہے' اور فطرت کے مطابق ہے' وہ دنیا میں اس وقت صبحِ امن کا جھنڈا اڑاتا آیا' جب دنیا ظلمات و فتن میں تھرتھری ہوئی تھی' وہ اس خدا کا منادی ہے' جو رحم مجسم' عدل مجسم' نیکی محض' خیر کل اور امن دانا ہے' وہ ظلم و ستم' بے اطمینانی' اضطراب' شک و شبہ کے خوفناکوں سے بھاگ کر امن و راستی کے طلب گاروں کو ایک ہی پناہ کی جگہ بتاتا ہے۔

فَفِرُّوْا اِلَی اللّٰہِ (الذاریٰت) ہر طرف سے بھاگ کر اللہ ہی کی طرف جاؤ۔

## مخالفین کی نکتہ چینی

اس حقیقت کے باوجود یہ کس قدر افسوسناک ہے کہ مسیحی مبلغین اور خود بینا مستشرقین نہایت فخر و غرور اور طعن و طنز کے ساتھ اسلام پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ اس نے خدا کا جو تخیل اپنے پیروؤں کے سامنے پیش کیا ہے وہ یہ ہے کہ وہ ایک جبار' قہار' پُر غضب' صاحب جلال و جبروت شہنشاہ ہے جس سے ہمیشہ دل کو ڈرتے

اور کا نیچے رہنا چاہیے اور اس تخیل کا اثر اسلام کے تمام احکام میں نمایاں ہے' بر خلاف اس کے عیسائی مذہب اس کو محبت' پیار' رحمت اور شفقت کے پیکر میں جلوہ گر کرتا ہے اور اسی لئے اس کو "باپ" کے نام سے پکارتا ہے' اسی کا نتیجہ ہے کہ اس کی تعلیمات میں نرمی' اور رحم و کرم کا جذبہ غالب ہے۔

مستشرقین اسی اعتراض کو اس صورت میں پیش کرتے ہیں کہ چونکہ اسلام ایک جنگجو مذہب ہے اس لئے اس کے تخیل میں خدا کی جباری و قہاری اور غیظ و غضب کا تصور سب سے زیادہ ہے' اور اسلام کی یہی کمی تھی جس کو تصوف نے آکر پورا کیا' اور بجائے اس کے کہ فقہا کی طرح خدا کی اطاعت کا مبنیٰ خشیت اور خوف الٰہی کو قرار دیا جائے' انھوں نے خدا کے عشق و محبت کو قرار دیا۔

## دعوت عمل

ناآشنایان اسلام کو اسلام کے متعلق بحث و کاوش کرتے ہوئے یہ نکتہ ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیے کہ وہ محض تخیلی اور خیالی آراء مذہب نہیں ہے بلکہ وہ اس عملی دنیا کا عملی مذہب ہے' دنیا میں کروڑوں انسان ہیں' ہر انسان کے پیچھے ہزاروں کام ہیں اور انسان کے ہر کام کا تعلق دوسرے انسان سے ہے' ان دونوں انسانوں میں کوئی باہمی تعلق ایسا ہونا چاہیے جو ایک کو دوسرے سے پیوستہ کردے۔ ایک کو دوسرے کی طرف جھکا دے' اور ایک کا رشتہ دوسرے کے ساتھ جوڑ دے' اس تعلق' اس پیوستگی اور اس رشتہ کو جو چیز پیدا کرتی اور قائم رکھتی ہے' وہ محبت اور خوف کا جذبہ ہے' اسی کی تعبیر دوسرے الفاظ میں یہ ہے کہ وہ نفع کی طرف رغبت اور ضرر سے نفرت کا جذبہ ہے۔

## امید و بیم

غرض انسان کی تمام تحریکات کا سرچشمہ محبت و خوف، رغبت، طمع اور نفرت ضرر ہے۔ خدا اور اس کے صفات کے متعلق انسان کے جو خیالات اور تصورات ہیں وہ بھی اسی اصول کے ماتحت ہیں۔ وحشی اقوام کے مذہبی خیالات پر غور کرو تو معلوم ہوگا کہ وہ فطرت کے مناظر اور موجودات کی پرستش اسی اصول کے مطابق کرتے ہیں، بعض چیزوں سے وہ ڈرتے ہیں، تو وہ ان کی پوجا کرتے ہیں کہ ان کے ضرر سے محفوظ رہیں بعض دوسری اشیاء کے لطف و کرم کے متوقع ہوتے ہیں کہ وہ ان کے منافع سے بہرہ اندوز ہو سکیں۔

تمام انسانی معاملات اور کاروبار پر غور کرو کہ انسان کی موجودہ فطرت کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ ممکن ہے کہ دنیا کا یہ نظام، صرف محبت اور رغبت کے جذبات سے چل سکے؟ اگر ایک دن بھی، دنیا کے بازاروں، سلطنتوں کے دفاتر، اور قوموں اور جماعتوں کی مجلسوں اور سوسائٹیوں میں تنہا اس پر عمل ہو، تو نظام عالم درہم برہم ہو جائے، اور اطاعت و فرمانبرداری کا جس پر تنظیم اور ضابطہ داری (ڈسپلن) کا دارومدار ہے خاتمہ ہو جائے، اسی طرح اگر صرف نفرت و عداوت اور خوف و دہشت تمام تر عالم کے کاروبار میں دخیل ہو جائے تو یہ دنیا جہنم کا طبقہ بن جائے، اور دلوں کی شگفتگی اور انبساط جو ہماری سرگرمیوں اور ولولوں کا آب حیات ہے دفعتاً فنا ہو جائے، اس لئے دنیا کے نظام ان دو گونہ جذبات کے بغیر کبھی قائم نہیں رہ سکتے، انسان اپنے ہر عمل میں ان دونوں کے سہارے کا محتاج ہے۔

## ملل قدیمہ

اسلام سے پہلے جو آسمانی مذاہب قائم تھے ان میں افراط و تفریط پیدا ہو گئی

تھی، اور صراط مستقیم سے وہ تمام تر ہٹ گئے تھے، یہودی مذہب کی بنا سر تاپا خوف، خشیت اور سخت گیری پر تھی، اس کا خدا "فوجوں کا سپہ سالار" اور باپ کا بدلہ چھ پشت تک بیٹوں سے لینے والا تھا، یہودیت کے صحیفوں میں خدا کے رحم و کرم اور محبت و شفقت کا ذکر شاذ و نادر کہیں نظر آئے گا، اس کے برعکس عیسائیت تمام تر خدا کے رحم و کرم اور محبت و شفقت کے تذکروں سے معمور ہے، اس کے "اکلوتے بیٹے کا باپ" تمام انسانوں کا باپ ہے، وہ اپنے "فرزندوں" کے جرم و خطاء سے غضبناک نہیں، بلکہ پشیمان اور متاسف ہوتا ہے۔

## حقیقت اسلام

اس افراط اور تفریط کا نتیجہ یہ ہے کہ یہودیت ایک خشک اور بے لذت مذہب بن گیا، اور عیسائیت اس قدر تر ہے کہ تر دامنی اس کے نزدیک عیب نہیں، ایک گنہگار عورت کو یہودیت سنگسار کرنے کا حکم دیتی ہے، لیکن عیسائیت صرف اسی قدر کہتی ہے کہ "جو گنہگار نہ ہو وہ اس عورت کو پتھر مارے، اور اے عورت! جا پھر ایسا نہ کرنا" اسلام تفصیل کرتا ہے، مجبور و مجنون اور مدہوش وغیرہ مستثنیٰ ہیں، بے شوہر عورت اور بن بیوی کے مرد کو کوڑے مارے جائیں، شوہر والی عورت اور بیوی والا مرد سنگسار ہوگا، یہودی مذہب کسی باز پرس کے بغیر ہر حال میں مرد کو طلاق کی اجازت دیتا ہے، ملت عیسوی، کسی حال میں طلاق کا فتویٰ جاری نہیں کرتی، اسلام اس کے متعلق تفصیلی احکام رکھتا ہے، غرض یہی حال اسلام کا تمام دیگر مسائل میں ہے کہ وہ عیسائیت اور یہودیت کے درمیان ہمیشہ بیچ کی راہ اختیار کرتا ہے، اور یہی اسلام کی سب سے بڑی فضیلت ہے، قرآن کہتا ہے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ
(البقرہ)

اسی طرح اے مسلمانو ہم نے تم کو بیچ کی امت بنایا کہ لوگوں پر گواہ ہو۔

یہی حال اعتقادات کا ہے' وہ نہ تو خدا کو محض جبار' قہار' رب الافواج اور صرف بنی اسرائیل یا بنی اسمٰعیل کا خدا مانتا ہے اور نہ اس کو مجسم انسان' انسانوں کا باپ' یا محمد صلعم کا باپ' سمجھتا ہے اور تمام رحم و کرم اور محبت و شفقت کے صفات سے متصف کرتا ہے' وہ خدا کی نسبت یہ یقین رکھتا ہے کہ وہ اپنے بندوں پر قاہر بھی ہے اور رحمن و کریم بھی ہے' وہ منتقم اور شدید العقاب بھی ہے اور غفور و رحیم بھی ہے' وہ اپنے بندوں کو سزا بھی دیتا ہے اور پیار بھی کرتا ہے' بگاڑتا بھی ہے اور نوازتا بھی ہے' نفع اور نقصان دونوں اسی کے ہاتھ میں ہیں' اس سے ڈرنا بھی چاہیے اور اس سے محبت بھی کرنی چاہیے۔

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ وَلَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝
(اعراف)

(لوگو!) اپنے پروردگار کو گڑگڑا کر چپکے چپکے پکارا کرو' وہ حد سے بڑھ جانے والوں کو پیار نہیں کرتا' اور زمین میں اس کی درستی کے بعد فساد نہ پھیلاؤ اور اس کو (اس کے عذاب سے) ڈرتے ہوئے اور (اس کے فضل و کرم کی) لو لگاتے ہوئے پکارا کرو

اس سے زیادہ پر لطف یہ ہے کہ اسلام خدا سے لوگوں کو ڈراتا ہے' مگر اس کو جبار اور قہار کہہ کر نہیں' بلکہ مہربان اور رحیم کہہ کر' خدا کے سچے بندوں کی صفت یہ ہے کہ

| | |
|---|---|
| وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ (یٰس) | اور رحم کرنے والے سے بن دیکھے ڈرا |
| مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ (ق) | اور جو رحم کرنے والے سے بن دیکھے ڈرا |

نہ صرف انسان بلکہ تمام کائنات کی زبانیں اس کے سامنے گنگ ہیں

| | |
|---|---|
| وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ (طٰہٰ) | اور رحم والے کے رعب سے تمام آوازیں پست ہوگئیں |

# آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

کسی حسین اور محبوب چیز کی نسبت اگر اس کے عاشقوں اور محبت کرنے والوں سے پوچھا جائے کہ اس کی کونسی ادا تم کو پسند آئی، اس کے کس حصہ میں تم کو حسن و جمال کا مظہر نظر آتا ہے؟ اس کے کس حسن و خوبی نے تم کو فریفتہ کیا ہے؟ تو یقیناً پوری جماعت کا ایک ہی جواب نہ ہوگا، کوئی کسی حصہ کا نام لے گا، کوئی کسی ادا کی تعریف کرے گا، کوئی کسی خوبی کا اپنے کو شیدا بتلائے گا، اسی طرح دنیا میں جو پیغمبر آئے وہ کئی قسم کے تھے، ایک وہ جن کی آنکھوں کے سامنے خدا کے صرف جلال و کبریائی کا جلوہ تھا، اور اس لئے وہ صرف خدا کے خوف و خشیت کی تعلیم دیتے تھے، مثلاً حضرت نوحؑ اور حضرت موسیٰؑ دوسرے وہ جو محبت الٰہی میں سرشار تھے اور وہ لوگوں کو اسی محبانہ عشق کی طرف بلاتے تھے، مثلاً حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ۔

لیکن پیغمبروں میں ایک ہستی آئی جو بزرخ کبریٰ، منبع جلال و جمال اور جامع مستی و ہوشیاری تھی، یعنی محمد رسول اللہ صلعم، ایک طرف آپ کی آنکھیں خوف الٰہی سے اشک آلود رہتی تھیں، دوسری طرف آپ کا دل خدا کی محبت اور رحم و کرم سے مسرور تھا، کبھی ایسا ہوتا کہ ایک ہی وقت میں یہ دونوں منظر لوگوں کو نظر آجاتے، چنانچہ

جب راتوں کو آپ شوق و ولولہ کے عالم میں نماز کے لئے کھڑے ہوتے 'قرآن مجید کی لمبی لمبی سورتیں زبان مبارک پر ہوتیں' ہر قسم اور ہر معنی کی آیتیں گذرتی جاتیں' جب کوئی خوف و خشیت کی آیت آتی' پناہ مانگتے اور جب کوئی مہر و محبت اور رحم و بشارت کی آیت آتی تو اس کے حصول کی دعا (۱) مانگتے۔

## راہ اعتدال

الغرض اسلام کا نصب العین یہ ہے کہ خوف و خشیت اور رحم و محبت کی راہ کے شاہراہ میں انسانوں کو کھڑا کرے' اسی لئے کہا گیا ہے کہ الایمان بین الخوف والرجاء ''ایمان کامل خوف اور امید کے درمیان ہے'' کہ تنہا خوف' خدا کے رحم و کرم سے ناامید اور محض رحم و کرم پر بھروسہ لوگوں کو خود سر اور گستاخ بنا دیتا۔ جیسا کہ اس عمل دنیا کے روزانہ کے کاروبار میں ہم کو تم کو اور سب کو نظر آتا ہے' اور مذہبی حیثیت سے عملاً اس کے نتائج کا مشاہدہ یہودیوں اور عیسائیوں میں کیا جا سکتا ہے کہ ایک ناامید محض اور دوسرا سراسر ناامید ہے۔

عیسائیوں نے خدا سے اپنا رشتہ جوڑا' اور اپنے کو ''فرزند الہٰی'' کا لقب دیا' بعض یہودی فرقوں نے بنی اسرائیل کو خدا کا خانوادہ اور محبوب ٹھہرایا' اور حضرت عیسیٰ کے جوڑ پر' حضرت عزیر کو ''فرزند الہٰی'' کا رتبہ دیا' لیکن اسلام یہ شرف کسی مخصوص خاندان یا خاص قوم کو عطا نہیں کرتا' بلکہ وہ تمام انسانوں کو بندگی اور اطاعت کی ایک سطح پر لا کھڑا کرتا ہے' مسلمانوں کے مقابلہ میں یہودیوں اور عیسائیوں' دونوں کا دعویٰ تھا۔

نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ (مائدہ) ہم خدا کے بیٹے اور چہیتے ہیں۔

---

(۱) مسند ابن حنبل جلد ۶ صفحہ ۹۲

قرآن مجید نے اس کے جواب میں کہا:۔

قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوبِكُمْ ط بَلْ أَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ط (مائدہ)

اگر ایسا ہے تو خدا تم کو تمہارے گناہوں کے عذاب کیوں دیتا ہے اس لئے تمہارا دعویٰ صحیح نہیں بلکہ تم بھی انہیں انسانوں میں سے ہو جن کو اس نے پیدا کیا۔

دوسری جگہ قرآن نے یہودیوں کے جواب میں کہا

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ هَادُوا إِنْ زَعَمْتُمْ أَنَّكُمْ أَوْلِيَاءُ لِلَّهِ مِنْ دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ (جمعہ)

اے وہ جو یہودی ہو اگر تم اپنے اس خیال میں سچے ہو کہ تمام انسانوں کو چھوڑ کر تم ہی خدا کے خاص چہیتے ہو تو موت (یعنی خدا کی ملاقات) کی تمنا کیوں نہیں کرتے۔

اسلام رحمت الٰہی کے تنگ دائرہ کو کسی خاندان اور قوم تک محدود نہیں رکھتا بلکہ وہ اس کی وسعت میں انسانوں کی ہر برادری کو داخل کرتا ہے ایک شخص نے مسجد نبوی میں آکر دعا کی کہ "خدایا! مجھ کو اور محمد ﷺ کو مغفرت عطا کر آپ نے فرمایا" خدا کی وسیع رحمت کو تم نے تنگ کر دیا (۱)" ایک اور اعرابی نے مسجد میں دعا مانگی کہ "خدایا! مجھ پر اور محمد ﷺ پر رحمت کر اور ہماری رحمت میں کسی کو شریک نہ کر" آپ نے صحابہ کی طرف خطاب کر کے فرمایا۔ "یہ زیادہ گمراہ ہے' یا اس کا اونٹ (۲)۔"

## غلط فہمی کا سبب

اسلام کے متعلق عیسائیوں نے جو یہ غلط فہمی پھیلا رکھی ہے کہ اس کا خدا رحم و کرم اور محبت اور پیار کے اوصاف سے معرا ہے' اس غلط فہمی کا سبب یہ ہے کہ اسلام' عیسائیت کی اس اصطلاح اور طرز ادا کو سخت ناپسند کرتا ہے' جس کے ذریعہ سے

---

(۱) صحیح بخاری کتاب الادب (۲) ابو داؤد کتاب الادب

وہ خدا کے ان اوصاف کو نمایاں کرتی ہے' یعنی باپ اور بیٹے کا لفظ کہ ؟ اس سے گمراہی پھیلتی ہے' یہ گمراہی کچھ عیسائیوں ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہندو اور دوسرے فرقے بھی اس غلطی میں مبتلا ہیں۔

اصل یہ ہے کہ خدا اور بندہ کے باہمی مہر و محبت کے جذبات کو یہ فرقے اپنی بولی میں نمایاں کرنا چاہتے ہیں' یہ جذبات انسانوں کے اندر باہمی رشتوں کے ذریعہ سے نمایاں ہوتے ہیں' اس بنا پر بعض بدوان فرقوں نے اس طریقہ ادا کو خالق و مخلوق کے ربط و تعلق کو ظاہر کرنے کے لئے بہترین اسلوب سمجھا' چنانچہ کسی نے خالق اور مخلوق کے درمیان باپ اور بیٹے کا تعلق پیدا کیا جیسا کہ عیسائیوں میں ہے' دوسرے نے ماں کی محبت کا بڑا درجہ سمجھا' اس لئے اس تعلق کو ماں اور بیٹے کی اصطلاح سے واضح کیا' اور دیویاں انسانوں کی مائیں ملیں' جیسا کہ ہندوؤں کا عام مذہبی تخیل ہے' خاص ہندوستان کی خاک میں زن و شوکی باہمی محبت کا امتیازی خاصہ ہے' جس کی نظیر دوسرے ملکوں میں نہیں مل سکتی ہے' اس کی نگاہ میں محبت کا اس سے زیادہ پر اثر منظر اور ناقابل شکست پیمان کوئی دوسرا نہیں' اس لئے یہاں کے بعض فرقوں میں خالق و مخلوق کی باہمی محبت کے تعلق کو زن و شو کی اصطلاح سے ادا کیا جاتا ہے' سدا سہاگ فقر اس تخیل کی مضحکہ انگیز تصویر ہیں۔

## انتہائی ضلالت

دیکھو! یہ تمام فرقے جنہوں نے خدا اور بندہ کے تعلق کو جسمانی اور مادی رشتوں کے ذریعہ ادا کرنا چاہا' وہ کس قدر راہ سے بھٹک گئے اور لفظ کے ظاہری استعمال نے نہ صرف ان کے عوام کو' بلکہ خواص تک کو گمراہ کر دیا' اور لفظ کی اصلی روح کو چھوڑ کر جسمانیت کے ظاہری مغالطوں میں گرفتار ہو گئے' عیسائیوں نے واقعی حضرت عیسیٰ کو بیٹا سمجھ لیا' ہندوستان کے بیٹوں نے ماتاؤں کی پوجا شروع کر دی'

مد اساک تعبیروں نے چوڑیاں اور ساڑیاں پہن لیں اور خدا کے آگے ناچنے اور شوخیاں کرنے لگے، اسی لئے اسلام نے جو توحید خالص کا مبلغ تھا ان جسمانی اصطلاحات کی سخت مخالفت کی اور خدا کے لئے ان الفاظ کا استعمال اس نے ضلالت اور گمراہی قرار دیا لیکن وہ ان الفاظ کے اصلی معنی اور منشاء کو اور اس مجاز کے پردہ میں جو حقیقت مستور ہے اس کا انکار نہیں کرتا بلکہ وہ ان جسمانی معنوں کو خالق و مخلوق اور عبد و معبود کے ربط و تعلق کے اظہار کے لئے ناکافی اور غیر مکمل سمجھتا ہے اور ان سے بھی زیادہ صحیح معنی کا طالب ہے۔

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا (بقرہ)

تم خدا کو اس طرح یاد کرو جس طرح اپنے باپوں کو یاد کرتے ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ یاد کرو۔

دیکھو! کہ باپ کی طرح کی محبت کو وہ اپنے پروردگار کی محبت کیلئے ناکافی قرار دیتا ہے اور عبد و معبود کے درمیان محبت کے رشتہ کو اس سے اور زیادہ مضبوط کرنا چاہتا ہے۔

## خدا کا تصور

الغرض رحم و محبت کے اس جسمانی طریقہ تعبیر کی مخالفت سے یہ لازم نہیں آتا کہ اسلام سرے سے خالق و مخلوق اور عبد و معبود کے درمیان محبت اور پیار کے جذبات سے خالی ہے، اتنا کون نہیں سمجھتا کہ مذہب کی تعلیمات انسانوں کی بولی میں اتری ہیں، ان کے تمام خیالات اور تصورات اسی مادی اور جسمانی ماحول کا عکس ہیں، اس لئے ان کے ذہن میں کسی غیر مادی اور غیر جسمانی ذات کا تصور مادی اور جسمانی تصور کی وساطت کے بغیر براہ راست پیدا نہیں ہو سکتا اور نہ اس کے لئے ان کی لغت

کا کوئی ایسا لفظ مل سکتا ہے، جو غیر مادی اور غیر جسمانی مفہوم کو اس قدر منزہ اور بلند طریقہ سے بیان کرے جس میں مادیت اور جسمانیت کا مطلق شائبہ نہ ہو؟ انسان ان دیکھی چیزوں کا تصور، صرف دیکھی ہوئی چیزوں کی تشبیہ سے پیدا کرتا ہے، اور اس طرح ان ان دیکھی چیزوں کا ایک دھندلا سا عکس ذہن کے آئینہ میں اتر جاتا ہے۔

اس "ان دیکھی ہستی" کی ذات و صفات کے متعلق، جس کو تم خدا کہتے ہو، ہر مذہب میں ایک تخیل ہے، غور سے دیکھو تو معلوم ہوگا کہ یہ تخیل بھی اس مذہب کے پیروؤں کے گردوپیش کی اشیاء سے ماخوذ ہے، لیکن ایک بلند تر اور کامل تر مذہب کا کام یہ ہے کہ وہ اس تخیل کو مادیت، جسمانیت اور انسانیت کی آلائشوں سے اس حد تک پاک ومنزہ کر دے، جہاں تک جنس نوع انسان کے لئے ممکن ہے، خدا کے متعلق باپ، ماں اور شوہر کا تخیل اس درجہ مادی، جسمانی اور انسانی ہے کہ اس تخیل کے معتقد ناممکن ہے کہ خالص توحید کے صراط مستقیم پر قائم رہ سکیں، جیسا کہ تم عیسائیوں کو دیکھ رہے ہو، اس لئے اسلام نے یہ کیا کہ ان مادی تعلقات اور جسمانی رشتوں کے الفاظ کو، خالق و مخلوق کے اظہار ربط و تعلق کے باب میں یک قلم ترک کر دیا بلکہ ان کا استعمال بھی شرک و کفر قرار دیا تاہم چونکہ حقائق روحانی کا اظہار بھی انسان انہی کی مادی بولی میں کرتا ہے، اس لئے اس نے جسمانی و مادی رشتے کے ان جذبات، احساسات اور عواطف کو خالق و مخلوق کے تعلقات معنوی کے اظہار کے لئے مستعار لے لیا، جن کا اظہار دوسرے مذاہب نے ان رشتوں کے ذریعہ کرنا چاہا تھا اور اس طرح خالق و مخلوق کے درمیان کوئی جسمانی رشتہ قائم کئے بغیر ربط تعلق کا اظہار اس نے کیا اور انسانوں کو استعارات کی لفظی غلطی سے جو گمراہیاں پہلے پیش آچکی تھیں ان سے ان کو محفوظ رکھا۔

ہر زبان میں اس خالق ہستی کی ذات کی تعبیر کے لئے کچھ نہ کچھ الفاظ ہیں، جن کو کسی خاص تخیل اور نسبت انہیں کی بنا پر مختلف قوموں نے اختیار کیا ہے، اور گو ان.

کی حیثیت اب علم اور نام کی ہے' تاہم وہ در حقیقت پہلے پہل کسی نہ کسی وصف کو پیش نظر رکھ کر استعمال کئے گئے ہیں' ہر قوم نے اس علم اور نام کے لئے اسی وصف کو پسند کیا ہے جو اس کے نزدیک اس خالق ہستی کی سب سے بڑی اور سب سے ممتاز صفت ہو سکتی تھی۔

## من موہن

اسلام نے خالق کے لئے جو نام اور علم اختیار کیا ہے وہ لفظ اَللہُ ہے اللہ کا لفظ اصل میں کس لفظ سے نکلا ہے' اس میں اہل لغت کا یقیناً اختلاف ہے' مگر ایک گروہ کثیر کا یہ خیال ہے کہ یہ وِلاَہُ سے نکلا ہے وِلاہُ اور وَلَہٌ اصل معنی عربی میں اس "غم" "محبت" اور "تعلق خاطر" کے ہیں جو ماں کو اپنی اولاد کے ساتھ ہوتا ہے' اس سے بعد کو مطلق" عشق و محبت" کے معنی پیدا ہو گئے اور اسی سے ہماری زبان میں لفظ والہ (شیدا) مستعمل ہے' اس لئے اَللہُ کے معنی "محبوب اور پیارے" کے ہیں' جس کے عشق و محبت میں نہ صرف انسان بلکہ کائنات کے دل سرگرداں' متحیر اور پریشان ہیں' حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی قرآن مجید کی آیتوں کے ترجمے اکثر ہندی میں فرمایا کرتے تھے' اللہ کا ترجمہ وہ ہندی میں "من موہن" یعنی "دلوں کا محبوب" کیا کرتے تھے۔

## رحمان و رحیم

قرآن مجید کھولنے کے ساتھ ہی خدا کی جن صفتوں پر سب سے پہلے نگاہ پڑتی ہے' وہ "رحمان" اور "رحیم" ہیں ان دونوں لفظوں کے تقریباً ایک ہی معنی ہیں' یعنی "رحم والا" "مہربان" "لطف و کرم والا" اور پھر یہی اوصاف بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ (محبوب' مہربان' رحم والا) قرآن مجید کے ہر سورۃ

کے آغاز میں پڑھنے کی تاکید کی گئی ہے' ہر نماز میں کئی کئی دفعہ ان کی تکرار ہوتی ہے' کیا اس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے متعلق اسلام کے تخیل کو واضح کرنے کے لئے کوئی دلیل مطلوب ہے۔

لفظ اللہ کے بعد اسلام کی زبان میں خدا کا دوسرا علم یعنی لفظ "رحمان" ہے' جو رحم و کرم اور لطف و مہر کے معنی میں صفت مبالغہ کا لفظ ہے۔

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ أَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ أَيًّا مَّا تَدْعُوا فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰى

اس کو محبوب کہو یا مہربان کہو' جو کہہ کر اس کو پکارو' اس کے سب ہی نام اچھے ہیں۔

قرآن مجید نے لفظ بسم اللہ الرحمان الرحیم کی صدہا بار کی تکرار کو چھوڑ کر 53 موقعوں پر خدا کو اس نام سے پکارا ہے۔

## اسمائے الٰہیہ

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے بیسیوں اوصافی نام ہیں' احادیث میں اس کے ننانوے نام گنائے گئے ہیں ان ناموں میں اللہ تعالیٰ کے ہر قسم کے جلالی و جمالی اوصاف آ گئے ہیں لیکن استقصار کرو تو معلوم ہوگا کہ ان میں بڑی تعداد انہیں ناموں کی ہے' جن میں اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم اور مہر و محبت کا اظہار ہے' قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ایک نام یا ایک وصف الوَدُوْدُ (سورۃ ذات البروج میں) آیا ہے' جس کے معنی "محبوب" اور "پیارے" کے ہیں کہ وہ سر تا پا مہر و محبت' اور عشق اور پیار ہے' اس کے سوا خدا کا ایک اور نام الولی ہے' جس کے لفظی معنی "یار" اور "دوست" کے ہیں' خدا کا ایک اور نام قرآن مجید میں بار بار استعمال ہوا ہے وہ الرؤف ہے "رؤف" کا لفظ "رافت" سے نکلا ہے "رافت" کے معنی اس محبت اور تعلق خاطر

کے ہیں جو باپ کو اپنی اولاد سے ہوتا ہے' اسی طرح خدا کے لئے قرآن مجید میں ایک اور نام حَنَانٌ آیا ہے جو "حن" سے مشتق ہے "حن" اور "حنین" اس سوزِ دل اور محبت کو کہتے ہیں جو ماں کو اپنی اولاد سے ہوتی ہے' یہ الفاظ ان مجازی اور مستعار معانی کو ظاہر کرتے ہیں' جو اسلام نے خالق و مخلوق اور عبد و معبود کے ربط و تعلق کے اظہار کے لئے اختیار کئے ہیں' دیکھو کہ وہ ان رشتوں کا نام نہیں لیتا ہے' لیکن ان رشتوں کے درمیان محبت اور پیار کے جو خاص جذبات ہیں ان کو خدا کے لئے بے تکلف استعمال کرتا ہے' اس طرح مادیت اور جسمانیت کا تخیل آئے بغیر وہ ان روحانی معانی کی تلقین کر رہا ہے۔

ان کے علاوہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں اللہ تعالیٰ کے جو اسماء اور صفات مذکور ہیں' ان کو بھی اس موقع پر پیش نظر رکھنا چاہیے اس کا نام غَفَّارٌ (بخشش کرنے والا) غَفُوْرٌ (بخشنے والا) سَلَامٌ (امن و سلامتی) ہے کہ وہ سر تاپا اپنے بے چارہ بندوں کیلئے امن اور سلامتی ہے' پھر وہ مُؤمِنٌ (امن دینے والا ہے') وہ اَلْعَدْلُ یعنی سر تاپا انصاف ہے' اَلْعَفُوُّ (معاف کرنے والا ہے) اَلْوَهَّابُ (عطا کرنے والا) اَلْحَلِیْمُ (بردبار) اَلصَّبُوْرُ (بندوں کی گستاخیوں پر صبر کرنے والا) اَلتَّوَّابُ (بندوں کے حال پر رجوع ہونے والا) اَلْبَرُّ (نیک اور مجسم خیر) اور اَلْمُقْسِطُ (منصف اور عادل) ہے ان میں ہر لفظ پر ٹھہر کر ذرا غور کرو کہ اسلام کا تخیل کس قدر بلند اور برتر ہے۔

## کتب سابقہ

توراۃ کے اسفار اور انجیل کے صحیفوں میں ایک ایک ورق ڈھونڈو کیا اللہ تعالیٰ کے لئے یہ ہمہ محبت' یہ سراپا مہر و کرم اسماء و صفات کی یہ کثرت تم کو وہاں ملے گی؟ اسلام اللہ تعالیٰ کے لئے ماں اور باپ کا لفظ یہودی و نصاریٰ اور ہنود کی طرح

استعمال کرنا جائز نہیں سمجھتا، مگر اس لطف احساس اور مہر و کرم کے جذبات و عواطف سے وہ بے بہرہ نہیں جن کو یہ فرقے اپنا مخصوص سرمایہ روحانی سمجھتے ہیں، مگر بات یہ ہے کہ ان روحانی جذبات اور معنوی احساسات کے ساتھ وہ شرک و کفر کی اس ضلالت اور گمراہی سے بھی انسان کو بچانا چاہتا ہے، جو ذرا سی لفظی غلط فہمی سے مجاز کو حقیقت اور استعارہ کو اصلیت سمجھ کر، پاک اور سرتاپا روحانی معانی کو مادی اور مجسم یقین کر لیتے ہیں، اور اس لئے وہ اس بلند تر توحید کی سطح سے بہت نیچے گر کر سر رشتہ حقیقت کو ہاتھ سے دے بیٹھے ہیں۔

## خدا کا آخری پیغام

اسلام، متکلم ازل کا آخری پیغام ہے اس لئے ضرورت تھی کہ وہ اس قسم کی لغزشوں سے پاک مبرا ہو، حقائق روحانی کی تعبیر کے لئے چند مادی اور جسمانی استعارات اور مجازات سے چارہ نہیں، تاہم ایک دائمی مذہب کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی تعلیم کو ان استعمالات کی غلطیوں اور غلط فہمیوں سے محفوظ رکھے، چنانچہ اسلام نے اسی بناء پر ان استعارات اور مجازات کے استعمال میں بڑی احتیاط برتی ہے، اور خدا کے مہر و کرم اور عشق و محبت کے تذکروں کے ساتھ، ادب و لحاظ کے قواعد کو فراموش نہیں کر دیا ہے، قرآن مجید اور احادیث، روحانی عشق و محبت کے ان دل آویز اور ولولہ انگیز حکایات سے معمور ہیں، بایں ہمہ وہ انسان کو بیٹا اور خدا کو باپ نہیں کہتا کہ عبد و معبود کے تعلقات کے اظہار کے لئے اس کے نزدیک یہ کوئی بلند تر تعبیر نہیں، وہ خدا کو آبْ (باپ) کے بجائے "رب" کہہ کر پکارتا ہے، وہ اس کو تمام دنیا کا باپ نہیں بلکہ تمام دنیا کا رب کہتا ہے۔

"اب اور رب" ان دونوں لفظوں کا باہمی معنوی مقابلہ کرو تو معلوم ہوگا کہ عیسائیوں اور یہودیوں کا تخیل، اسلام کے مطمح نظر سے کس درجہ پست ہے، اب

یعنی باپ کا تعلق اپنے بیٹے سے ایک خاص کیفیت اور مدت سے گزر کر ایک محدود عرصہ تک رہتا ہے' اس کے وجود میں اس کا یک گونہ تعلق ضرور ہوتا ہے' مگر اس کے قیام و بقاء' زندگی' ضروریات زندگی' سامان حیات' نشوونما اور ارتقاء کسی چیز میں اس کی ضرورت نہیں ہوتی' عہد طفلی تک شاید کچھ اور واجب ہو' اس کے بعد تو وہ اپنے والدین سے الگ مستقل اور بے نیاز زندگی بسر کرتا ہے' مگر ذرا غور کرو کیا عبد و معبود اور خالق و مخلوق کے درمیان جو ربط و تعلق ہے اس کا انقطاع کسی وقت ممکن ہے' کیا بندہ اپنے خدا سے ایک دم اور ایک لمحہ کے لئے بھی بے نیاز اور مستغنی ہو سکتا ہے' کیا یہ تعلق باپ اور بیٹے کے تعلق کی طرح محدود اور مخصوص الاوقات ہے۔

## رب کا مفہوم

ربوبیت (پرورش) عبد و معبود اور خالق و مخلوق کے درمیان اس تعلق کا نام ہے جو آغاز سے انجام تک قائم رہتا ہے' جو ایک لمحہ کے لئے منقطع نہیں ہو سکتا' جس کے بل اور سہارے پر دنیا اور دنیا کی مخلوقات کا وجود ہے' وہ گہوارہ عدم سے لیکر فنائے محض کی منزل تک ہر قدم پر موجودات کا ہاتھ تھامے رہتا ہے' وہ ذرہ ہو یا پتھر' قطرہ آب ہو' یا قطرہ خون' مضغہ گوشت ہو یا مشت استخوان' شکم مادر میں ہو' یا اس سے باہر' بچہ ہو یا جوان' ادھیڑ ہو یا بوڑھا' کوئی آن' کوئی لمحہ رب کے مہر و کرم اور لطف و محبت سے استغنا اور بے نیازی نہیں ہو سکتی۔

علاوہ ازیں باپ اور بیٹے کے الفاظ سے مادیت' جسمانیت' ہم جنسی اور برابری کا جو تخیل پیدا ہوتا ہے' اس سے لفظ رب یک قلم پاک ہے' اور اسی میں ان ضلالتوں اور گمراہیوں کا خطرہ نہیں جن میں نصرانیت اور ہندویت نے ایک عالم کو مبتلا کر رکھا ہے۔

# حقیقت ایمان

اب ہم کو ان آیتوں اور حدیثوں کو آپ کے سامنے پیش کرنا ہے' جن سے روشن ہو کر اسلام کا سینہ اس ازلی وابدی عشق و محبت کے نور سے کس درجہ معمور ہے اور وہ نغمۂ الست کی سرشاری کی یاد میں ہوئے انسانوں کو کس طرح دلا رہا ہے'

اسلام کا سب سے پہلا حکم ایمان ہے' ایمان کی سب سے بڑی خاصیت اور علامت "حب الٰہی" ہے اور یہ وہ دولت ہے جو اہل ایمان کی پہلی جماعت کو عملاً نصیب ہو چکی تھی' زبان الٰہی نے شہادت دی۔

| | |
|---|---|
| وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (بقرہ) | جو ایمان لائے ہیں وہ سب سے زیادہ خدا سے محبت رکھتے ہیں۔ |

اس نشۂ محبت کے سامنے باپ' ماں' اولاد' بھائی' بیوی' جان' مال' خاندان سب قربان اور نثار ہو جانا چاہیے ارشاد ہوتا ہے۔

| | |
|---|---|
| اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ط | اگر تمہارے باپ' تمہارے بیٹے' تمہارے بھائی' تمہاری بیویاں' اور تمہارا کنبہ اور وہ دولت جو تم نے کمائی ہے اور وہ سوداگری جس کے مندا پڑ جانے کا تم کو اندیشہ ہے خدا اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے تم کو زیادہ محبوب اور پیارا ہے تو اس وقت تک انتظار کرو کہ خدا اپنا فیصلہ لے آئے۔ |

ایمان کے بعد بھی اگر نشۂ محبت کی سرشاری نہیں ملی تو وہ بھی جادۂ حق سے دوری ہے چنانچہ جو لوگ کہ راہ حق سے بھٹکا چاہتے تھے ان کو پکار کر سنا دیا گیا

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ

(مائدہ)

مسلمانو! اگر تم میں سے کوئی اپنے دین اسلام سے پھر جائیگا تو خدا کو اس کی کچھ پروا نہیں وہ ایسے لوگوں کو لا کھڑا کریگا جن کو وہ پیار کریگا اور وہ اس کو پیار کریں گے۔

# آثار و علائم

حضرت مسیحؑ نے کہا "درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے" ہر معنوی اور روحانی حقیقت ظاہری آثار اور جسمانی علامت سے پہچانی جاتی ہے' تم کو زید کی محبت کا دعویٰ ہے' مگر نہ تمہارے دل میں اس کے دیدار کی تڑپ ہے' نہ تمہارے سینہ میں صدمہ' فراق کی جلن' اور نہ آنکھوں میں ہجر و جدائی کے آنسو ہیں' تو کون تمہارے دعوے کی تصدیق کرے گا' اسی طرح خدا کی محبت اور پیار کے دعویدار تو بہتر سے ہو سکتے ہیں مگر اس غیر محسوس کیفیت کی مادی نشانیاں اور ظاہری علامتیں اس کے احکام کی پیروی اور اس کے رسول کی اطاعت ہے' خدا کے رسول کو اس اعلان کا حکم ہے۔

إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ

(آل عمران)

اگر تم کو خدا سے محبت ہے تو میری پیروی کرو کہ خدا بھی تم کو پیار کریگا۔

طبقات انسانی میں متعدد ایسے گروہ ہیں جن کو خدا کی محبت اور پیار کی دولت ملی ہے۔

| | |
|---|---|
| إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (بقرہ) | خدا نیکی کرنے والوں کو پیار کرتا ہے۔ |
| إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ (بقرہ) | خدا توبہ کرنے والوں کو پیار کرتا ہے۔ |
| إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ (آل عمران) | خدا توکل کرنے والوں کو پیار کرتا ہے |
| إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ (مائدہ) | خدا منصف مزاجوں کو پیار کرتا ہے۔ |
| إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ (توبہ) | خدا پرہیزگاروں کو پیار کرتا ہے۔ |
| إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ (صف) | خدا ان کو پیار کرتا ہے جو اس کے راستہ میں لڑتے ہیں۔ |
| وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ (آل عمران) | اور خدا صبر کرنے والوں کو پیار کرتا ہے۔ |
| وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ (توبہ) | اور خدا پاک صاف لوگوں کو پیار کرتا ہے۔ |

## دائمی مسرت

دنیا کے عیش و مسرت، باغ و بہار، شادی و خوشی میں اگر کوئی خیال کا نٹا سا چبھتا ہے اور ہمیشہ انسان کے عیش و سرور کو مکدر اور منغص بنا کر بے فکری کی بہشت کو فکر و غم کی جہنم بنا دیتا ہے تو وہ ماضی اور حال کی ناکامیوں کی یاد اور مستقبل کی بے اطمینانی ہے، پہلے کا نام حزن و غم ہے اور دوسرے کا نام خوف و دہشت ہے، غرض غم اور خوف یہی دو کانٹے ہیں جو انسانیت کے پہلو میں ہمیشہ چبھتے رہتے ہیں لیکن جو محبوب حقیقی کے طلب گار اور اس کے والہ و شیدا ہیں ان کو بشارت ہے کہ ان کا چمنستان عیش اس خار زار سے پاک ہوگا۔

| | |
|---|---|
| أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (یونس) | ہاں! خدا کے دوستوں کو نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ |

محبت کا جو جذبہ بڑے کو چھوٹے کے ساتھ احسان، نیکی، درگذر اور عفو و بخشش پر آمادہ کرتا ہے اس کا نام "رحم" اور "رحمت" ہے۔ اسلام کا خدا سراسر رحم ہے۔ اسکی رحمت کے فیض سے عرصہ کائنات کا ذرہ ذرہ سیراب ہے۔ اسکا نام رحمان و رحیم ہے۔ جو کچھ یہاں ہے سب اسکی رحمت کا ظہور ہے۔ وہ نہ ہو تو کچھ نہ ہو۔ اسی لئے اس کی رحمت سے نا امیدی جرم اور مایوسی گناہ ہے۔ مجرم سے مجرم اور گنہگار سے گنہگار کو وہ نوازنے کیلئے ہر وقت آمادہ و تیار ہے۔ گنہگاروں اور مجرموں کو وہ "میرے بندے" کہہ کر تسلی کا یہ پیام بھیجتا ہے۔

قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۚ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (زمر)

اے پیغمبر! میرے ان بندوں کو پیام پہنچا دے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے کہ وہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں۔ اللہ یقیناً تمام گناہوں کو بخش سکتا ہے کہ وہی بخشش کرنے والا اور رحم کھانے والا ہے۔

فرشتے حضرت ابراہیم کو بشارت سناتے ہیں تو کہتے ہیں

وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقَانِطِيْنَ

ناامید لوگوں میں سے نہ ہو،

خلیل اللہ اس رمز سے نا آشنا تھے کہ مرتبہ خلت محبت سے مافوق ہے، جواب دیا۔

وَمَنْ يَّقْنَطُ عَنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖ اِلَّا الْقَوْمُ الضَّالُّوْنَ (حجر)

اپنے پروردگار کی رحمت سے گمراہ لوگوں کے سوا اور کوئی مایوس نہیں ہوتا۔

خدا کے بندوں کی جانب سے کوئی پابندی عائد نہیں، مگر اس نے خود اپنی رحمت کے اقتضا سے اپنے اوپر کچھ چیزیں فرض کر لی ہیں۔ منجملہ ان کے ایک رحمت ہے،

خدا مجرموں کو سزا دے سکتا ہے وہ گنہگاروں پر عذاب بھیج سکتا ہے وہ سیہ کاروں کو ان کی گستاخیوں کا مزہ چکھا سکتا ہے وہ غالب ہے وہ قاہر ہے وہ جبار ہے وہ منتقم ہے لیکن ان سب کے ساتھ وہ غفار و غفور ہے وہ رحمان اور رحیم ہے وہ رؤف و شفیق ہے اور سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ اس نے اپنے اوپر رحمت کی پابندی خود بخود عائد کر لی ہے اور اپنے اوپر اس کو فرض گردان لیا ہے۔

كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ — اللہ نے از خود اپنے اوپر مہربانی کرنے کو لازم کر لیا ہے (انعام)

قاصد خاص کو حکم ہوتا ہے کہ ہمارے گنہگار بندوں کو ہماری طرف سے سلام پہنچاؤ اور تسلی کا یہ پیام دو کہ اس کا باب رحمت ہر وقت کھلا ہے۔

وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (انعام)

اے پیغمبر! جب تیرے پاس وہ آئیں جو میری آیتوں پر یقین رکھتے ہیں تو ان کو کہہ کہ تم پر سلامتی ہو، تمہارے پروردگار نے اپنے اوپر از خود اپنے بندوں پر مہربان ہونا لازم کر لیا ہے کہ جو کوئی تم میں سے نادانی سے برائی کر بیٹھے پھر اس کے بعد توبہ کرے اور نیک بنے تو بیشک وہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

قرآن کی تعلیم کے مطابق اس وسیع عرصہ کائنات کا کوئی ذرہ اس سایہ رحمت سے محروم نہیں۔

وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ — اور میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہے۔

(اعراف)

# عفوِ عام کی بشارت

بخاری و ترمذی وغیرہ صحیح حدیثوں میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب اس عالم کو پیدا کیا تو اس نے اپنے دستِ خاص سے اپنے اوپر رحمت کی پابندی عائد کر لی۔ جامع ترمذی میں ہے کہ ایک دفعہ آپ نے فرمایا کہ "اگر مومن کو یہ معلوم ہوتا کہ خدا کے پاس کتنا عقاب ہے تو وہ جنت کی طمع نہ کرتا اور اگر کافر کو یہ معلوم ہوتا کہ خدا کی رحمت کس قدر بے حساب ہے تو وہ جنت سے مایوس نہ ہوتا" یہ اسلام کے تخیل کی صحیح تعبیر ہے۔ بارگاہِ احدیت کا آخری قاصد اپنے دربار کی جانب سے گنہگاروں کو بشارت سناتا ہے کہ "اے آدم کے بیٹو! جب تک تم مجھے پکارتے رہو گے اور مجھ سے آس لگائے رہو گے میں تمہیں بخشتا رہوں گا، خواہ تم میں کتنے ہی عیب ہوں، مجھے پرواہ نہیں۔ اے آدم کے بیٹو! اگر تمہارے گناہ آسمان کے بادلوں تک پہنچ جائیں، اور پھر تم مجھ سے معافی چاہو تو میں معاف کر دوں خواہ تم میں کیسے ہی عیب ہوں مجھے پرواہ نہیں۔ اے آدم کے بیٹو! اگر پوری سطح زمین بھی تمہارے گناہوں سے بھری ہو، پھر تم ہمارے پاس آؤ، اور میرا کسی کو شریک نہ ٹھہراتے ہو، تو میں بھی پوری زمین بھر مغفرت لیکر تمہارے پاس آؤں" کیا انسانوں کے کانوں نے اس رحمت، اس محبت اس عفو عام کی بشارت کسی اور قاصد کی زبان سے بھی سنی ہے؟

حضرت ابو ایوبؓ صحابی کی وفات کا وقت جب قریب آیا تو انہوں نے لوگوں سے کہا کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ "اگر تم گناہ نہ کرتے تو خدا اور مخلوق پیدا کرتا جو گناہ کرتی کہ وہ اس کو بخشتا" یعنی اللہ تعالیٰ کو اپنے رحم و کرم کے اظہار کے لیے گنہگاروں ہی کی تلاش ہے کہ نیکوکاروں کو تو سب ڈھونڈتے ہیں، مگر گنہگاروں کو صرف وہی ڈھونڈتا ہے۔

دنیا میں انسانوں کے درمیان جو رحم و کرم اور مہر و محبت کے عناصر پائے

جاتے ہیں جن کی بناء پر دوستوں، عزیزوں، قرابت داروں، اولادوں میں مسلسل ملاپ اور رسم و محبت ہے اور جس کی بناء پر دنیا میں عشق و محبت کے یہ مناظر نظر آتے ہیں، تم کو معلوم ہے کہ یہ اس شاہد حقیقی کے سرمایہ محبت کا کتنا حصہ ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے سو حصے کئے ان میں سے ایک حصہ اپنی مخلوقات کو عطا کیا، جس کے اثر سے وہ ایک دوسرے پر باہم رحم کیا کرتے ہیں، باقی ننانوے حصے خدا کے پاس ہیں (۱) "اس لطف و کرم اور مہر و محبت کی بشارت کس کس مذہب نے انسانوں کو سنائی ہیں اور کس نے گنہگار انسانوں کے مضطرب قلوب کو اس طرح تسلی دی ہے؟ صحیح بخاری میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ ایک شخص شراب خواری کے جرم میں بار بار گرفتار ہو کر آنحضرت صلعم کے خدمت میں پیش ہوا، صحابہ نے تنگ آکر کہا "خداوندا! تو اپنی لعنت اس پر نازل کر کہ یہ کس قدر بار بار لایا جاتا ہے" رحمۃ للعالمین ﷺ کو صحابہ کی یہ بات ناپسند آئی، فرمایا "اس پر لعنت نہ کرو کہ اس کو خدا اور رسول ﷺ سے محبت ہے" تم نے دیکھا کہ اسلام نے گنہگاروں کے لئے بھی خدا کی محبت کا دروازہ کھول رکھا ہے۔

## رحمۃ للعالمین ﷺ

ابن ماجہ میں ہے کہ مدینہ میں ایک غریب مسلمان نے وفات پائی، اس کا غم کس نے کیا ہوگا؟ ہاں اس دل نے جو دنیا کا غم خوار بن کر آیا تھا، اس کے فراق ظاہری سے چہرہ مبارک پر اندوہ و ملال کے آثار تھے، صحابہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلعم! آپ کو اس مرنے والے کی موت کا غم ہے" فرمایا "ہاں کہ اس کو خدا اور رسول سے محبت تھی" اس غریب میں اس محبت کا یہ اثر تھا کہ وہ ہمیشہ زور زور سے قرآن پڑھا کرتا تھا،

---

(۱) جامع ترمذی (باب الدعوات) و دیگر کتب احادیث صحیحہ

غریبوں کے دل خدا کی محبت کے خزانے ہیں، صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آپ نے ایک صاحب کو کسی جماعت کا افسر بنا کر بھیجا تھا، وہ جب نماز پڑھاتے تھے، تو ہر نماز میں ہر سورۃ کے آخر میں قل ھو اللّٰہ ضرور پڑھتے تھے، جب سفر سے یہ جماعت لوٹ کر آئی تو خدمت اقدس میں حاضر ہو کر آپ سے یہ واقعہ عرض کیا، فرمایا "ان سے پوچھو کہ وہ ایسا کیوں کرتے ہیں" لوگوں نے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ میں اس لئے کرتا ہوں کہ اس سورۃ میں رحم والے خدا کی صفت بیان ہے، تو مجھ کو اس کے پڑھنے سے محبت ہے" فرمایا "ان کو بشارت دو کہ وہ رحم والا خدا بھی ان سے محبت کرتا ہے" یہ بشارت اسلام کے سوا کسی اور نے بھی سنائی ہے؟

## المرء مع من احب

صحیح بخاری اور مسلم میں متعدد طریقوں سے حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ایک صحابی نے خدمت والا میں حاضر ہو کر دریافت کیا کہ "یا رسول اللہ ﷺ قیامت کب آئے گی؟ فرمایا تم نے اس کے لئے کیا سامان کر رکھا ہے" نادم ہو کر شکستہ دلی سے عرض کیا "کہ یا رسول اللہ! میرے پاس نہ تو نمازوں کا، نہ روزوں کا، اور نہ صدقات و خیرات کا بڑا ذخیرہ ہے، جو کچھ سرمایہ ہے وہ خدا اور رسول کی محبت کا ہے اور بس! فرمایا "تو انسان جس سے محبت کرے گا، وہ اسی کے ساتھ رہے گا" صحابہ نے اس بشارت کو سن کر اس دن بڑی خوشی منائی کہ صرف خدا اور رسول کی محبت تمام نیکیوں کا بدل اور معاوضہ ہے۔

صحیح مسلم کی روایت ہے کہ آپ نے فرمایا "جب خدا کسی بندہ کو چاہتا ہے تو فرشتہ خاص جبریلؑ سے اس کا تذکرہ کرتا ہے کہ میں فلاں بندہ کو پیار کرتا ہوں، تو جبریلؑ بھی اس کو پیار کرتے ہیں، اور آسمان میں پکار دیتے ہیں کہ خدا اس بندہ کو پیار کرتا ہے، تم بھی پیار کرو، تو آسمان والے بھی اس کو پیار کرتے ہیں، اور پھر زمین میں اس کو ہر

واعزیزی اور حسنِ قبول حاصل ہوتا ہے' دیکھو کہ اسلام کا خدا اپنے بندوں سے کس اعلان اور اشتہار کے ساتھ محبت کرتا ہے۔

## عطائے عمومی

ترمذی میں ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ رسول اللہ صلعم سے راوی ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "میرا بندہ نفلی طاعتوں سے میری قربت کو اس قدر ڈھونڈتا ہے کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں' یہاں تک کہ میں اس کی وہ آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے' وہ کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے' وہ ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے" یہ دولت' یہ نعمت' یہ سعادت اسلام کے دروازے کے سوا کہیں اور سے مل سکتی ہے؟

امام بزاز نے مسند میں حضرت ابوسعید سے روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا "میں ان لوگوں کو پہچانتا ہوں جو نہ نبی ہیں نہ شہید ہیں' لیکن قیامت میں ان کے مرتبہ کی بلندی پر انبیاء اور شہداء بھی رشک کریں گے یہ وہ لوگ ہیں جن کو خدا سے محبت ہے اور جن کو خدا پیار کرتا ہے' وہ اچھی باتیں بتاتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں" آج یہ قابلِ رشک رتبہ اسلام کے سوا اور کون عطا کرتا ہے؟

ترمذی میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا لوگو! "خدا سے محبت کرو کہ وہ تمہیں اپنی نعمتیں عطا کرتا ہے' اور خدا کی محبت کے سبب مجھ سے محبت کرو اور میری محبت کے سبب میری اہل بیت سے محبت کرو" یہ عشق و محبت کی دعوت محبوبِ ازلی کے سوا اور کون دے سکتا ہے؟

# محبت الٰہی کی طلب

جو کچھ اسلام کی تعلیم تھی وہ پیغمبر اسلام کی عملی زندگی تھی۔

عام مسلمانوں میں پیغمبر اسلام کا لقب "حبیب خدا" ہے۔ دیکھو کہ حبیب و محبوب میں عظمت اور محبت کے کیا کیا ناز و نیاز ہیں' آپ خشوع و خضوع کی دعاؤں میں اور خلوت کی ملاقاتوں میں کیا ڈھونڈتے اور کیا مانگتے تھے' کیا چاہتے اور کیا سوال کرتے تھے! امام احمد اور بزاز نے مسندوں میں' ترمذی نے جامع میں' حاکم نے مستدرک میں' اور طبرانی نے معجم میں متعدد صحابیوں سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلعم اپنی دعاؤں میں محبت الٰہی کی دولت مانگا کرتے تھے' انسان کو اس دنیا میں سب سے زیادہ محبوب اپنی اور اپنے اہل و عیال کی جان ہے لیکن محبوب خدا کی نگاہ میں یہ چیزیں ہیچ تھیں' دعا فرماتے تھے' خداوندا!

| | |
|---|---|
| اسئلک حبک وحب من یحبک وحب عمل یقرب الی حبک (احمد ترمذی حاکم) | میں تیری محبت سے مانگتا ہوں اور جو تجھ سے محبت کرتا ہے' اس کی محبت' اور اس کام کی محبت جو تیری محبت سے قریب کر دے۔ |
| اللھم اجعل حبک احب الی من نفسی واھلی ومن الماء البارد (ترمذی حاکم) | الٰہی! تو اپنی محبت جان سے اور اہل و عیال اور ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ میری نظر میں محبوب بنا۔ |

عرب میں ٹھنڈا پانی' دنیا کی تمام دولتوں اور نعمتوں سے زیادہ گراں اور قیمتی ہے' لیکن حضور ﷺ کی پیاس اس مادی پانی کی خنکی سے نہیں سیر ہوتی تھی' وہ صرف محبت الٰہی ہی کا زلال خالص تھا جو اس تشنگی کو تسکین دے سکتا تھا' عام انسان' روٹی سے جیتے ہیں مگر ایک عاشق الٰہی (مسیح) کا قول ہے کہ "انسان صرف روٹی سے نہیں جیتا"

پھر وہ کونسی روحانی ہے جس کو کھا کر انسان پھر بھی بھوکا نہیں ہوتا حضور دعا فرماتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| اَللّٰھُمَّ ارزقنی حبک وحب من ینفعنی فی حبک (ترمذی) | خدا وندا! تو مجھے اپنی محبت اور اس کی محبت جو تیری محبت کی راہ میں نافع ہے مجھے روزی کر |

عام ایمان خدا اور رسول پر یقین کرتا ہے مگر جانتے ہو کہ اس راہ کی آخری منزل کیا ہے؟ تکمیل یہ ہے

| | |
|---|---|
| من کان اللّٰہ ورسولہ احب الیہ مما سواہ | یہ کہ خدا اور رسول کی محبت کے آگے تمام ماسوائی کششیں ہیچ ہو جائیں۔ |

بعض مذاہب کو اپنی اس تعلیم پر ناز ہے کہ وہ انسانوں کو یہ سکھاتے ہیں کہ وہ اپنے خدا کو ماں باپ سمجھیں اور اس سے اسی طرح محبت کریں جس طرح اپنے والدین سے کرتے ہیں اور چونکہ اسلام نے اس طریقہ تعبیر کو اس بنا پر کہ وہ شرک کا راستہ ہے ممنوع قرار دیا ہے اس لئے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام محبت الٰہی کے مقدس جذبات سے محروم ہیں۔ لیکن جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ یہ نہیں بلکہ اسلام کی بلندی نظر اور محبت کا علوئے معیار ان مذاہب کے پیش کردہ نظر و معیار کو پست قرار فراز سمجھتا ہے۔ قرآن مجید کی یہ آیت پاک بھی اس دعوے کے ثبوت میں پیش کی جا چکی ہے۔

| | |
|---|---|
| وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا | تم خدا کو اس طرح یاد کرو جس طرح اپنے باپ دادا کو یاد کرتے ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ |

# خدا کی رحمت

احادیث سے ہمارا یہ دعویٰ اور بھی زیادہ واضح ہو جاتا ہے' لڑائی کا میدان ہے' کشتوں میں بھاگ دوڑ مچی ہے جس کو جہاں امن کا گوشہ نظر آتا ہے' اپنی جان بچا رہا ہے' بھائی بھائی سے ماں بچہ سے' بچہ ماں سے الگ ہے' اسی حال میں ایک عورت آتی ہے' اس میدان حشر میں اس کا بچہ گم ہو گیا ہے' محبت کی دیوانگی کا یہ عالم ہے کہ جو بچہ بھی اس کو سامنے نظر آ جاتا ہے' بچے کے جوش محبت میں اس کو چھاتی سے لگا لیتی ہے' اور اس کو دودھ پلا دیتی ہے رحمۃ للعالمین ﷺ کی نظر پڑتی ہے' صحابہ سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں "کیا یہ ممکن ہے کہ یہ عورت خود اپنے بچہ کو اپنے ہاتھ سے دہکتی آگ میں ڈال دے ؟" لوگوں نے عرض کی" ہرگز نہیں" فرمایا " تو جتنی محبت ماں کو اپنے بچہ سے ہے' خدا کو اپنے بندوں سے اس سے بہت زیادہ محبت ہے " ( صحیح بخاری' باب رحمۃ الولد)

ایک دفعہ ایک غزوہ سے آپ تشریف لا رہے ہیں' ایک عورت اپنے بچہ کو گود میں لیکر سامنے سے آتی ہے اور عرض کرتی ہے کہ "یا رسول اللہ ﷺ! ایک ماں کو اپنی اولاد سے جتنی محبت ہوتی ہے کیا خدا کو اپنے بندوں سے اس سے زیادہ نہیں ہے ؟" فرمایا "ہاں" "اسے بے شک اس سے زیادہ ہے" بولی" تو کوئی ماں تو اپنی اولاد کو خود آگ میں ڈالنا گوارا نہ کریگی" یہ سن کر فرط اثر سے آپ پر گریہ طاری ہو گیا' پھر سر اٹھا کر فرمایا "خدا صرف اس بندہ کو عذاب دیتا ہے' جو سرکشی سے ایک کو دو کہتا ہے " (سنن نسائی' باب ما یرجی من الرحمۃ)

آپ ایک مجلس میں تشریف فرما ہیں' ایک صحابی چادر میں ایک پرندہ کو مع اس کے بچوں کے باندھ کر لاتے ہیں' اور واقعہ عرض کرتے ہیں' کہ "یا رسول اللہ ﷺ! میں نے ایک جھاڑی سے ان بچوں کو اٹھا کر کپڑے میں لپیٹ لیا ماں نے یہ دیکھا تو

میرے سر پر منڈلانے لگی میں نے ذرا سا کپڑا کھول دیا تو وہ فوراً آکر میرے ہاتھ پر بچوں پر گر پڑی "ارشاد ہوا" کیا بچوں کے ساتھ ماں کی اس محبت پر تم کو تعجب ہے 'قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا 'جو محبت اس ماں کو اپنے بچوں کے ساتھ ہے 'خدا کو اپنے بندوں کے ساتھ اس سے بدرجہا زیادہ ہے" (مشکوٰۃ بحوالہ ابو داؤد باب رحمۃ اللہ)

# حسن خاتمہ

رسالت محمدیہ کا عشق کا آخری ہو شمند سرشار 'ریاض محبت کی بہار جاوداں کا آخری نغمہ خواں عندلیب 'نظارہ جمال حقیقت کا پہلا مشتاق 'مستور ازل کے چہرہ زیبا نقاب کا پہلا پردہ کشا 'زندگی کے آخری گھنٹوں میں ہے 'مرض کی شدت ہے 'بدن بخار سے جل رہا ہے 'اٹھ کر چل نہیں سکتا 'لیکن یک بیک وہ اپنے میں ایک اعلان خاص کی طاقت پاتا ہے 'مسجد نبوی میں جاں نثار حاضر ہوتے ہیں 'سب کی نظریں حضور ﷺ کی طرف لگی ہیں 'نبوت کے آخری پیغام سننے کی آرزو ہے 'دفعتاً لب مبارک وا ہوتے ہیں 'تو یہ آواز آتی ہے " لوگو! میں خدا کے سامنے اس بات کی براءت کرتا ہوں کہ انسانوں میں میرا کوئی دوست ہے 'میرا پیارا صرف ایک ہی ہے 'وہی جس نے ابراہیم کو اپنا پیارا بنایا 'یہ تو وفات سے پہلے کا اعلان تھا 'عین حالت نزع میں زبان مبارک پر یہ کلمہ مبارک تھا "خداوندا! بہترین رفیق (صحیح بخاری وفات)"

یہ سچ ہے کہ اسلام رحمت الٰہی کے ساتھ غضب الٰہی کا بھی معتقد ہے مگر جانتے ہو کہ اسلام کے عقیدہ میں اس کی رحمت و غضب کا باہمی توازن کیا ہے 'خدا فرماتا ہے۔

رحمتی سبقت غضبی (بخاری) میرے غضب سے میری رحمت آگے بڑھ گئی

# صلائے عام

اے ربانی عشق و محبت کے طلبگارو! اگر واقعی تمہارے دل فانی محبت سے ہٹ کر کسی باقی کی محبت کے خواہشمند ہیں، اگر در حقیقت تمہیں ازلی و ابدی محبوب کی تلاش ہے، اگر دراصل تمہارا جسم نہیں، بلکہ تمہاری روح کسی کی محبت کی سرشاری کیلئے بیتاب ہے، تو آؤ کہ یہ دولت صرف اسلام کے آستانہ پر ملتی ہے اور اسی کے خزانہ سے ملتی ہے!

یکم نومبر ۱۹۶۹

# سُنّت

خوشی کی بات ہے کہ کچھ لوگوں میں آج کل مذہبی تحقیقات کا شوق پیدا ہو رہا ہے گو وہ ہمارے نقطۂ نظر سے آج کتنے ہی دور ہوں مگر بہر حال ان کا یہ شوق اس لحاظ سے قابل تعریف ہے کہ انہوں نے اس قسم کی بحثوں میں پڑنا اپنے لئے تضییع وقت نہیں سمجھا مگر اس کا افسوس ہے کہ کاش تحقیق سے پہلے اپنے غور و فکر کے نتائج کو عام مسلمانوں کے سامنے پیش کر دینا ممکن ہے کہ بہتوں کی ٹھوکر کا باعث ہو، حق کی اشاعت ضروری ہے لیکن شائع کرنے والے پر اس کی بڑی ذمہ داری آتی ہے کہ وہ پہلے حق کا حق ہونا اچھی طرح سمجھ لے

اردو کے ایک ادبی (۱) رسالہ میں ماہ بماہ ایسے مضامین نکل رہے ہیں، جن میں اس قسم کی تحقیقات کے نمونے اکثر دیکھنے میں آتے ہیں، خصوصاً ایک خاص صاحب (۲) کے مضمون اور بھی زیادہ دلچسپ حقائق کا مجموعہ ہوا کرتے ہیں، جن کا سلسلہ خدا خدا کر کے اب ختم ہوا ہے، میں نے اس سلسلہ مضمون کے بعض ٹکڑوں کو

---

(۱) رسالہ نگار لکھنؤ (۲) نیاز فتح پوری

اس وقت بھی پڑھا تھا' جب وہ پہلے پہل معارف میں چھپنے کی خاطر بھیجے گئے تھے اور اب بھی دیکھا' پھر موصوف کے خیالات سے آخر خطوط و مکاتیب کے ذریعے بھی واقفیت ہوتی رہی' مگر ان تمام معلومات کے بعد بھی موصوف کے نظریات میں کوئی خاص اصول مد نظر نہیں معلوم ہوتا' میں نے ایک دفعہ ان کو یا ان کے ایک اور ہم خیال سب جج صاحب کو لکھا تھا۔

گاہ بدل زند گاہ زند بر ایماں
یا بہ زلف تو ندانم کہ چہ در سر دارد

یہی شعر اب بھی پڑھتا ہوں ہمارے دوست نے اسلامی احکام کی ایک طویل فہرست دی ہے' جو قرآن پاک میں مذکور نہیں' اور ان کا ماخذ صرف حدیث ہے' مجھے تو ان میں سے اکثر احکام قرآن پاک میں نظر آتے ہیں۔

# اصول فہم قرآن

میں نے ایک سے زائد بار لکھا ہے کہ اس قسم کے مباحث میں جزئی باتوں کی تحقیق میں پڑنا بیکار ہے' ضرورت یہ کہ ان کے اصول کلیہ پر بحث کی جائے جن کے اندر یہ تمام جزئیات داخل ہیں' مثلا ایک مسئلہ یہ ہے کہ کسی عبارت سے کسی مفہوم و معنی کے مستنبط کرنے کے کیا اصول ہیں؟ ہمارے یہاں اصول فقہ کا بڑا حصہ انہی مباحث کی تفصیل میں ہے' اور اس میں وہ اصول بتائے گئے ہیں' جن کی بنا پر کسی عبارت سے کسی مفہوم و معنی کا استنباط کر سکتے ہیں

خلاصہ یہ ہے کہ اگر قرآن میں کوئی ایسا لفظ یا محاورہ ہے' جس کے متعدد معنی ہیں' یا جس کے حقیقی معنی یا مجازی معنی مراد ہونے میں شک ہو تو تعیین کیونکر ہو گی' یا یہ کہ اس کے معنی تو معلوم ہوں' لیکن اس کے شمول میں شک ہو کہ کتنے افراد کو یہ شامل ہے' یا یہ حد ہو کہ یہ حکم مطلق ہے' یا اس کے اندر کوئی استثناء یا تخصیص بھی ہے' یہ اور اس قسم کی دوسری باتوں کے معلوم کرنے کے کیا قواعد ہیں؟

پھر یہ کہ ایک عبارت سے مطلب نکالنے کی متعدد صورتیں ہیں' ایک تو صاف صاف لفظوں سے مطلب نکلتا ہے' ایک اس کے عنوان بیان سے ظاہر ہوتا ہے' اس کے اشارات و کنایات سے کچھ سمجھا جاتا ہے' اس لئے اگر کوئی بات قرآن پاک کے لفظوں میں مذکور نہیں مگر اس کے عنوان بیان اور اشارات و کنایات سے معلوم ہوتی ہے' تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ قرآن میں نہیں۔

کیا جس طرح آج آپ کو قرآن پاک کی آیتوں کے نزول کے ماحول میں سینکڑوں برس کی دوری کے باوجود اس کے متعلق بیسیوں نکتہ آفرینیوں کا حق حاصل ہے' یہ حق خود اس کو حاصل نہ تھا' جس پر یہ قرآن اترا اور جس کو اس کے تبیین اور تشریح کا حکم تھا؟

## تفاوت ذہن

فرض کیجئے کہ آنحضرت ﷺ پر قرآن میں یہ حکم نازل ہوتا ہے کہ "صبح سے شام تک روزہ رکھو" اب ایک شخص آکر پوچھتا ہے' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' میں نے بھولے سے کھالیا' کیا میرا روزہ صحیح ہوا؟ آپ نے فرمایا ہاں' بھول چوک معاف ہے' روزہ صحیح ہوا اب سوال یہ ہے کہ آپ نے جو مسئلہ بتایا' اصولاً یہ قرآن کے اندر تو مذکور ہے مگر خاص روزہ کے حکم کے ساتھ مذکور نہیں' تو کیا کہا جائے گا کہ یہ

حکم قرآن کے اندر نہیں اور یہ حدیث قرآن کے خلاف ہے۔

لیکن میں دوسری بات کہتا ہوں نہ دنیا میں تمام انسان ایک ہی قابلیت وذہانت اور فہم کے نہیں ہوتے دیکھئے کہ آج آپ کو جو نکتہ آفرینیاں سوجھتی ہیں خود پہلے کسی کو سوجھیں اور نہ خود اس زمانہ کے بہت سے آدمیوں کو سوجھتی ہیں' قرآن پاک ہر آدمی پڑھتا ہے مگر ایک صاحب علم کو اس کے لفظ لفظ سے جو حقائق و معارف معلوم ہوتے ہیں وہ ایک عام آدمی کو نہیں معلوم ہوتے۔

## احادیث سے چارہ نہ تھا

جب یہ مسلم ہے کہ افراد انسانی کی عقلیں متفاوت ہیں' اور ان کے فہم وذہانت کے معیار مختلف ہیں' تو اب سوال یہ ہے کہ اگر آنحضرت پر قرآن میں ایک حکم نازل ہونے کے بعد اگر وہی یا اس سے بظاہر کسی قدر مختلف کوئی بات پیش آئے' یا کسی صحابی کو یہ شک پیدا ہو کہ یہ واقعہ اس کلی حکم کے تحت میں ہے یا نہیں' تو اب وہ اپنی مشکل کے حل کے لئے کیا صورت اختیار کرتے؟ ظاہر ہے کہ یہی ممکن اور موزوں صورت ہو سکتی تھی کہ وہ صاحب وحی علیہ السلام سے آکر دریافت کرتے' پھر سوال یہ ہے کہ جب وہ آکر پوچھتے تو آنحضرت صلعم کیا کرتے' خاموش رہتے' یا قرآن پاک کی اس آیت کے ہی الفاظ کو جن کے سمجھنے یا جس کو اپنی صورت واقعہ پر منطبق کرنے میں ان کو شبہ پیدا ہو رہا ہے' دہرا دیتے یا یہ کرتے کہ جو گتھی ان کے سامنے تھی' اس کو سلجھا دیتے' اور بات صاف کر دیتے' ظاہر ہے کہ یہی آخر صورت قابل اختیار تھی' اب ایسی حالت میں کیا ان اصحاب کے لئے یہ ناجائز قرار دیا جاتا کہ اپنی صورت واقعہ کو دربار رسالت میں اپنے سوال کو اور آپ کے جواب کو' کسی دوسرے کے سامنے بیان نہ کرتے' یا اگر کسی دوسرے کو وہی صورت حال پیش آتی' تو اس کو وہی حل نہیں بتاتے' کوئی معمولی سمجھ کا آدمی بھی اس کو ناجائز اور ناروا نہیں کہہ سکتا' یہی صورت حال ہے'

جس کا نام اصطلاح میں "حدیث" ہے۔
اس کو کسی مثال میں دیکھئے تو واضح ہو جائے گا قرآن پاک میں ہے کہ

| | |
|---|---|
| لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ سورہ مائدہ 5:87 | خدا نے تمہارے لئے پاک چیزیں حلال کی ہیں' اس کو اپنے اوپر حرام نہ کرو' |

ایک صحابی آکر پوچھتے ہیں کہ یا رسول اللہ (صلعم) میں چاہتا ہوں کہ شادی نہ کروں' بلکہ شادی کا جذبہ جن اسباب سے انسان میں پیدا ہوتا ہے' انہی کو کاٹ ڈالوں' آپ نے فرمایا' یہ جائز نہیں ہے' اس کے بعد قرآن پاک کی آیت مذکور پڑھی' جس تک ان صحابی کی نظر نہیں پہنچی تھی' تو کیا ان صحابی کے پوچھنے اور آپ کے جواب دینے کے واقعہ کو کسی سے بیان نہ کیا جائے اور اگر کسی تابعی کے ذہن میں وہی سوال پیدا ہوتا ہو تو کسی صحابی کیلئے جائز نہ تھا کہ اس واقعہ کو اس کے سامنے دہرائے اور اس کے شک کو دور کرے' اگر یہ جائز تھا اور ہے تو اس کا نام روایتِ حدیث ہے'

## روایت سے چارہ نہیں'

روایت سے دنیا میں کسی فن' کسی مذہب' کسی حکومت' کسی انسانی کاروبار کو کبھی بھی چھٹکارا نہیں ہو سکتا' ظاہر ہے کہ ہر انسان' ہر واقعہ' ہر تجربہ' اور ہر حادثہ کے وقت بذات خود موجود نہیں رہ سکتا' ایسی صورت میں غیر موجود اشخاص تک اس واقعہ تجربہ اور حادثہ کو پہنچانے کی روایت کے سوا کوئی دوسری صورت نہیں ہو سکتی' خواہ وہ زبانی ہو' یا تحریری ہو' یا ان لوگوں تک جو اس زمانہ کے بعد آئیں' پہنچانے کا ذریعہ روایت کے سوا کوئی دوسرا موجود نہیں ہے' دنیا کے تمام فنون' مسائل' مخترعات' اور

واقعات وحوادث کی نقل اور علم اسی طرح دنیا میں عہد بعہد پہنچا اور پھیلا ہے' تو پھر کیا اسلام دنیا سے کوئی انوکھا واقعہ ہے' اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام و فرامین و اقوال کو دوسروں تک یا آئندہ آنے والوں تک پہنچانے کا کوئی دوسرا ذریعہ تلاش کیا جاتا۔

آج کے یہ نئے مفسرین اور یہ جدید "بانیان مذاہب" یہ بالفرض اپنی امت کے امام اور مقتدا بن جائیں' تو ان کی ذاتی تحقیقات کے کاوشیں' نکتہ آفرینیاں ان کی امت کے ان افراد تک جو ان کے حلقہ درس سے دور ہیں' یا آج سے سینکڑوں بعد آئیں گے' پہنچانے کا تحریری یا زبانی روایت کے سوا اور کیا ذریعہ ہوگا' خصوصاً اگر یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ ابھی کاغذ کی صنعت بھی اس ملک میں نہیں' لکھنے پڑھنے کا رواج بھی کم ہے' اور ڈاک تار' برقی مشین' پریس' اور چھاپہ کی ایجاد کو ابھی ہزار برس باقی ہیں'

آج دنیا میں بڑی بڑی قوموں کی تاریخیں' بڑے بڑے علماء کے خیالات' پرانے مصنفین کی تصنیفات ہم تک کس طرح پہنچی ہیں' خود قرآن پاک ہم تک کس طرح پہنچا ہے' اسی تحریری یا تقریری روایت کے ذریعہ سے' فرق اگر ہے تو یہ ہے کہ قرآن پاک ہزاروں اور لاکھوں انسانوں کی روایت ہے' اور احادیث چند انسانوں کی' مگر ایسے انسان جن کا حال ہم کو معلوم ہے اور ان کا سلسلہ سند ہمارے پاس محفوظ ہے' اس لئے قرآن و حدیث میں جو فرق ہو سکتا ہے' وہ وثوق اور اعتبار کی زیادتی اور کمی کا اور قرآن و حدیث کے درمیان اس نسبت کو ہر مسلمان بلکہ ہر اہل حدیث تسلیم کرتا ہے۔

اس لئے جس طرح دنیا میں عام روایتوں کے صحیح یا غلط ہونے کی تنقید کے

اصول ہیں، وہی حدیث کی بھی تنقید کے اصول ہیں، ہم سے جب کوئی بات کہی جاتی ہے، تو ہم اوس کو کس طرح جانچتے ہیں؟ اسی طرح نہ کہ ہم دیکھتے ہیں کہ بیان کرنے والا کیسا ہے جس سے بیان کیا تھا وہ کیسا تھا جس وقت یہ واقعہ ہوا، وہ اس میں موجود تھا یا نہیں، جس شخص سے یہ بات منسوب کی جاتی ہے اس کے عام حالات سے یہ بات لگتی ہوئی ہے یا نہیں، یہی چیزیں ہیں جن کا نام اصول حدیث ہے۔

## اسلام کی تاریخ برباد ہو جائے گی

اسلام کا یہ عظیم الشان کارنامہ ہے کہ اس نے اپنے رسول کے ایک ایک واقعہ، ایک ایک قول، اور ایک ایک حکم کو دنیا میں محفوظ رکھا، اور ان کے لئے حدود اصول اور فن ایجاد کیے، اگر اسلام کے ان نئے محسنوں کے خیالات مان لئے جائیں، تو یہ کارنامہ اسلام اور مسلمانوں کے لئے لعنت بن جائے گا، اور صحابہ سے لے کر آج تک وہ تمام اخیار و اکابر امت جن کی زندگیوں پر آج نہ صرف اسلام بلکہ دنیا کو ناز ہے، وہ سب کے سب راست بازی اور صداقت کی بارگاہ سے راندہ نکلیں گے کیا اسلام پر احسان ہے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سے لیکر آج تک خلفائے راشدین، تابعین، آئمہ مجتہدین علمائے خیر تمام کے تمام اپنے استنباطات اور اجتہادات میں قرآن پاک کے بعد احادیث اور اقوال نبوی کی تقلید واتباع کرتے رہے ہیں، لیکن اگر آج کے اجتہادات مان لئے جائیں تو لازم آئے گا کہ یہ سب کے سب نعوذ باللہ مشرک، انسان پرست اور کتاب اللہ کے تارک تھے اور آج جو نئے مفسر اور نئے فقیہ بنے ہیں ان کے اقوال و اجتہادات و استنباطات کے ماننے والے موحد، سچے دیندار اور کتاب اللہ کے سچے پیرو ثابت ہوں گے، اور یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ نعوذ باللہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کا مشن تخت ناکام رہا' اور تیرہ سو برس تک اسی طرح ناکام رہا' یہاں تک کہ ہندوستان کے ایک قطعہ میں کتاب اللہ کے چند ماہرین اسرار پیدا ہوئے جنہوں نے اصل اسلام کو دنیا میں آشکارا اور وہ کام کیا' جو نہ خود رسول نے کیا' نہ ابوبکر صدیق نے کیا' نہ عمر فاروق نے کیا' نہ عثمان غنیؓ نے کیا' نہ علی مرتضیٰؓ نے کیا' نہ دوسرے صحابہ اور تابعین نے کیا' اور نہ دوسرے آئمہ مجتہدین سے ہو سکا' اس کے بعد کوئی بتائے کہ قرآن کی عملی تصویر دنیا میں کبھی جلوہ گر تھی' یا نہیں' اگر تھی تو وہ کب' اور اس کی تاریخ کہاں ملے گی' اور اگر نہ تھی تو قرآن سے زیادہ ناکام صحیفہ آسمانی دنیا میں اور کون ہو گا' کیا کسی مسلمان کی غیرت ایمانی اس خیال کو جائز رکھتی ہے؟

## احادیث کا کتنا حصہ قابل بحث ہو سکتا ہے

بہر حال آیئے غور کریں کہ احادیث میں کیا کیا ہے' اور اس کے کتنے حصے پر بحث کی جا سکتی ہے' احادیث کا بڑا حصہ درحقیقت تاریخی ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے حالات' سوانح' اور واقعات کی روایتیں ہیں' ظاہر ہیں کہ یہ کوئی قابل بحث چیز نہیں' یہ تاریخ کا اسی طرح حصہ ہے' جس طرح دنیا کی اور تاریخیں ہیں' فرق یہ ہے کہ یہ تاریخ کا ایسا مستند و معتبر حصہ ہے' جس سے زیادہ معتبر اور مستند حصہ دنیا میں موجود نہیں' مصر' ہندوستان' بابل' نینوی' سیریا' یونان و روم کس ملک اور کس قوم کی تاریخ ہے' جو اس استناد اس اعتبار' اس سلسلہ کے ساتھ محفوظ ہے اور جو تنقید روایت کے اصول پر ایک لمحہ کے لئے بھی ٹھہر سکتی ہے۔

۲۔ دوسرا حصہ اخلاق و حکم کا ہے' جس میں عقل و حکمت کی عمدہ عمدہ باتیں مثلاً جھوٹ کی برائی' عدل کی تعریف' علم کی خوبی وغیرہ بیان کی گئی ہیں' جن کی قرآن

کے علاوہ خود فطرت انسانی تصدیق و تائید کرتی ہے کیا یہ رد کے قابل ہیں؟

۳۔ تیسری چیز عقائد ہیں۔

اسلام کے ایک چھوٹے سے فرقہ کے سوا بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ۔۔۔۔ فائی

ظاہر ہے ______________ کے سوا کوئی اس کا قائل نہیں کہ

عقائد کا ثبوت قرآن کے علاوہ کسی اور طور سے ہو سکتا ہے کیونکہ عقیدہ نام ہے یقین

کا' اور یقین کا ذریعہ صرف ایک ہے' اور وہ وحی اور اس وحی کا تواتر ہے اس لئے عقائد

کا مبنی صرف قرآن پاک یا احادیث متواترہ ہیں' ظاہر ہے کہ احادیث متواترہ کا

مطلق وجود نہیں' یا ایک دو سے زیادہ نہیں' ایسی حالت میں عام احادیث عقائد کا

مبنی نہیں قرار پا سکتی ہیں' عموماً احادیث روایت احاد ہیں' اور ان کا ایک حصہ مستفیض

ہے یعنی صحابہ کے بعد ان کے راویوں کی کثرت ہوئی ہے' اس لئے یہ روایتیں صرف

قرآن پاک کی آیات کی تائید میں کام آ سکتی ہیں' مستقلاً ان سے عقائد کا ثبوت حاصل

نہیں کیا جا سکتا۔

اب رہ گئے احکام' ان کے لئے مستفیض و احاد سب کچھ کار آمد ہیں' دنیا

میں تمام عملی کاروبار اسی پر چل رہا ہے' ایک آدمی تنہا آپ کو آکر اطلاع دیتا ہے کہ

فلاں شخص آپ کو بلاتا ہے آپ بے چون و چرا اس کے ساتھ ہو جاتے ہیں' کبھی سوال

وجواب نہیں کرتے کہ اس نے بلایا بھی ہے یا نہیں' ہاں اگر کسی قرینہ سے شک ہوتا

ہے' تو سوال و جواب کر لیتے ہیں' یہی سب صورتیں احادیث میں بھی جاری ہیں' مثلاً

اگر کوئی حدیث کسی دوسری زیادہ معتبر روایت کے خلاف ہو' قرآن کے خلاف ہو' یا

اور کوئی بات اس کے مخالف نظر آئے' تو ایسے موقع پر ہر صاحب تحقیق کو حق ہے

کہ اس پر بحث کرے۔

# احادیث قرآن سے ماخوذ ہیں؟

بہت سے علمائے محققین کی طرح میرا بھی یہ اعتقاد ہے کہ احکام واخلاق کے متعلق صحیح احادیث میں جو کچھ ہے' وہ تمام تر قرآن سے ماخوذ و مستنبط ہے اور چونکہ وہ خود صاحب وحی کا بتائید الٰہی واضح ربانی استنباط ہے اس لئے بشرط ثبوت وہ بھی یقینی اور واجب التعمیل ہے' قرآن کی اصطلاح میں اس کا نام "تبیین" کھولنا' اور "اراءت" دکھانا ہے' اس موقع پر ہم کو بے شک یہ گلہ ہے کہ ہمارے علماء اور خصوصاً علمائے متاخرین نے اس حیثیت سے قرآن پاک کی خدمت کم کی' حالانکہ صحابہ اور آئمہ مجتہدین نے اپنے اجتہادات اور استنباطات میں ہمیشہ قرآن کو سب سے اول پیش نظر رکھا' لیکن انہوں نے فن کی حیثیت سے اس کو مستقل نہیں کیا' ان کا زمانہ تدوین فن کا نہ تھا' یہ بعد کے لوگوں کا کام تھا' اس کی وجہ یہ ہوئی کہ جس طرح کتب فتاوی کی سہولت نے لوگوں کو فقہ سے اور کتب فقہ کی سہولت نے حدیث سے باز رکھا' اسی طرح حدیث کی سہولت اور ابواب کی تقسیم نے لوگوں کو قرآن کی طرف رجوع کرنے سے باز رکھا' کہ قرآن مجید میں ہر مسئلہ الگ الگ عنوانوں اور بابوں میں درج نہیں' اس لئے لوگوں کو تلاش میں دقت ہوتی ہے' پھر قرآن سے استنباط کر لینا ہر عامی کا کام نہیں' علماء میں سے جنہوں نے احکام القرآن پر کتابیں لکھیں' انہوں نے بھی تفسیری ترتیب کو چھوڑ کر فقہی ترتیب کو اختیار نہیں کیا' جس کی وجہ سے جو مشکل لوگوں کو قرآن کی طرف رجوع ہونے سے پہلے پیش آتی تھی' وہ پھر باقی رہی' بہرحال ضرورت ہے کہ ان عقائد القرآن اور اخلاق القرآن پر ہمارے علماء مفصل کتابیں لکھیں' آج بھی جو لوگ قرآن پاک کے ساتھ شغف کا اظہار کر رہے ہیں' اور قرآن ہی کو صرف حجت جانتے ہیں' وہ بجائے اپنے موجودہ طرز عمل کے قرآن واحادیث کے باہمی تعلق وارتباط پر اس نظریہ کو سامنے رکھ کر کام کرتے' تو اسلام

سے سلئے کتنا بڑا عظیم الشان کارنامہ انجام دیتے "مگر افسوس ہے کہ اس کے جائے اور بھی تفریق و انتشار کا باعث ہوگا" جس کی مثالیں چند ہی سال میں پنجاب کے مختلف اضلاع میں نظر آتی ہیں۔

بہر حال اس غلط طریقہ کے سوا ایک اور غلط بحث بھی ہو رہا ہے۔

## حدیث و سنت میں فرق

آج کل لوگ عام طور سے حدیث و سنت میں فرق نہیں کرتے' اور اسی کی وجہ سے بڑا مغالطہ پیش آتا ہے' حدیث تو ہر اس روایت کا نام ہے' جو ذات نبوی کے تعلق سے بیان کی جائے' خواہ وہ ایک ہی دفعہ کا واقعہ ہو یا ایک ہی شخص نے بیان کیا ہو' مگر سنت دراصل عمل متواتر کا نام ہے' یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود عمل فرمایا' آپ کے بعد صحابہ نے کیا' پھر تابعین نے کیا' گو یہ زبانی روایت کی حیثیت سے متواتر نہیں' مگر عملاً متواتر ہے' اسی طرح یہ بالکل ممکن ہے کہ ایک واقعہ روایت کی حیثیت سے مختلف طریقے سے بیان کیا گیا ہو' اسلئے وہ متواتر نہ ہو مگر اس کی عام عملی کیفیت متواتر ہو' اس متواتر عملی کیفیت کا نام سنت ہے۔

فرض کیجئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی فرضیت کے بعد تمام عمر دن میں پانچ دفعہ پڑھتے رہے' آپ کے بعد تمام صحابہ کا یہی طرز عمل رہا' یہی تابعین کا رہا اور یہی روئے زمین کے تمام مسلمانوں کا رہا' ان کا بھی جو بخاری و مسلم کے وجود سے پہلے تھے' اور ان کا بھی جو اس کے بعد پیدا ہوئے' تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پانچ وقت کی نماز اصطلاحی روایت متواترہ سے ثابت ہو یا نہ ہو' لیکن عمل متواترہ سے بلا شک و شبہ ثابت ہے' تیرہ سو برس زائد سے آج تمام دنیا کے مسلمان جن کے مقامات' الوان' خیالات' اخلاق' زبان' تمدن' وطنیت ہر زمانہ میں بے حد اختلاف اور تفاوت ہے' تاہم اس بات میں سب کا اتفاق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم اور آپ کے اصحاب دن میں پانچ دفعہ نماز پڑھا کرتے تھے' فلاں فلاں اوقات میں پڑھا کرتے تھے' اور فلاں فلاں ارکان کے ساتھ پڑھا کرتے تھے' یہ تواتر عملی ہے' جس کا انکار مکابرہ ہے۔

کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ ان پانچ اوقات کا تعین اور اس طرح طریقہ نماز بخاری یا مسلم یا ابو حنیفہ اور شافعی رحمتہ اللہ علیہم کی وجہ سے مسلمانوں میں رواج پذیر ہے۔ یہ وہ عملیت ہے جو اگر بخاری یا مسلم دنیا میں نہ بھی ہوتے تو بھی وہ اسی طرح عملاً قائم ہوتی' اگر دنیا میں بالفرض احادیث کا ایک صفحہ بھی نہ ہوتا تو بھی وہ اسی طرح جاری رہتی' احادیث کی تحریر و تدوین نے اس طرز عمل کی ناقابل انکار تحریری حیثیت ثبت کر دی ہے' تو کیا پھر اس بنا پر کہ اس عملی کیفیت کو دوسری یا تیسری صدی کے کسی محدث نے الفاظ و تحریر میں قلم بند کر دیا' وہ تواتر حد اعتبار سے گر گیا؟

## عملی روایت میں اختلاف

اس موقع پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ بعض عملی روایات میں بھی تو اختلاف ہے' روایتوں میں ہے کہ آپ یا صحابہؓ رفع یدین کرتے تھے' بعض میں ہے کہ نہیں کرتے تھے' بعض میں ہے کہ سینے پر ہاتھ باندھتے تھے' دوسری روایت میں ہے کہ ناف پر ہاتھ باندھتے تھے' ایک میں ہے کہ آمین زور سے کہتے تھے' دوسری میں ہے کہ آہستہ کہتے تھے' آپ کہہ سکتے ہیں کہ دونوں عملاً کیونکر درست ہو سکتے ہیں' میرا جواب یہ ہے کہ اس مشکل کے حل کی بھی وہی تدبیر ہے جو دنیا کے دوسرے روایتی واقعات کے حل میں اختیار کرتے ہیں اگر آپ کے سامنے کسی تاریخی واقعہ کے متعلق دو قسم کی مختلف روایتیں آتی ہیں' تو آپ کیونکر فیصلہ کرتے ہیں؟ یہی کرتے ہیں کہ دیکھتے ہیں کہ ان دونوں بیان کرنے والوں میں سے کون زیادہ معتبر اور ثقہ ہے؟ یا کس کا بیان

دوسرے یقینی حالات و واقعات سے زیادہ قرین قیاس ہے یہی صورت ان احادیث میں بھی ہے 'جتنا حصہ ان عملی روایات کا ایسا ہے جو بلا کوئی اختلاف ثابت ہے' وہ یقینی اور ناقابل رد ہے' اور جتنا حصہ مختلف فیہ ہے اگر ان مختلف پہلوؤں میں کوئی ایک پہلو اصولاً اور قیاساً زیادہ معتبر ہے اس کو اختیار کرنا چاہیے اور اگر سب پہلو برابر ہیں' تو یہ مان لینا چاہیے کہ ان مختلف طریقوں میں جس طرح بھی کیا جاتا ہے وہ صحیح ہے۔

فرض کیجئے نماز کے متعلق پانچ اوقات کے عمومی تعین' نمازوں کی تعداد' نمازوں کی عام ہئیت یعنی قیام' رکوع' سجود' اور حالت قیام قرآن پڑھنے میں اور دوسرے ارکان میں تسبیح و تہلیل کہنے میں کوئی اختلاف نہیں ہے' اس لئے یہ عملی متواتر ہے اور اس میں کوئی شبہ اور شک نہیں کیا جا سکتا' لیکن یہ بات کہ رفع یدین کیا جائے یا نہ کیا جائے' آمین زور سے کہی جائے یا آہستہ' دو وقت کی نماز ایک وقت میں کب اور کہاں پڑھی جا سکتی ہے ان کے متعلق اگر اختلاف ہے تو تحقیق کرنی چاہیے کہ ان میں سے غالب پہلو کس طرف ہے' اگر آپ کو اس کا پتہ لگ سکے' تو اس کو اختیار کیجئے ورنہ یہ سمجھ لیجئے کہ دونوں طرح سے جائز ہے' اور ان میں سے جو پہلو بھی کوئی اختیار کرے اس پر ملامت نہیں ہے

## سنت کی حقیقت

اس تفریق سے معلوم ہو گیا کہ سنت اور حدیث میں عظیم الشان فرق ہے حدیث محض روایت کی حیثیت کا اور سنت اس کے عملی تواتر کا نام ہے' احادیث کو چھوڑ کر قرآن پاک کی بھی یہی صورت ہے قرآن پاک کا حکم ہے کہ نماز پڑھو "اقیموا الصلوٰۃ" اور اس کی تفصیلات بھی جاننا چاہتا ہوں' انہی کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھ کر بتا دیا اور فرمایا" صلو کما رایتمونی " اس طرح نماز پڑھو' جس طرح تم نے مجھے پڑھتے دیکھا" آنحضرت ﷺ تمام عمر' اسی

طرح پڑھتے رہے' قرآن پاک کے الفاظ کی جو عملی تصویر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش فرمائی' وہی سنت ہے اور یہ گویا قرآن پاک کی عملی تفسیر ہے' جس کا مرتبہ احادیث کے لفظی روایات سے بدرجہا بلند ہے' سنت کے علاوہ اسی مفہوم کے لئے قرآن پاک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ نے دوسرے الفاظ کا بھی استعمال کیا ہے مثلاً سبیل اور اسوہ وغیرہ' مگر ان سب کے معنی چلے ہوئے راستہ اور پیروی کے ہیں' یعنی وہ راستہ جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عمر بھی چلے تمام صحابہ چلے اور اکابر امت چلے' وہ سنت ہے' سبیل ہے' طریق ہے اور اسوہ ہے اور یہی وہ مفہوم ہے جس کے لئے امام مالک نے موطا کا لفظ ایجاد کیا اور اپنے مجموعہ روایات کا نام رکھا' موطا کے لفظی معنی پامال اور روندے کے ہیں' یعنی وہ پامال اور روندا ہوا راستہ جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ گذرے یہی راستہ عملی اسلام کا ہے اور وہی قرآن کی صحیح عملی تفسیر ہے۔

## کتاب و سنت

احادیث میں اکثر کتاب و سنت کا لفظ ساتھ ساتھ آیا ہے خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری خطبوں میں ہے کہ "تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ جاتا ہوں' کتاب اللہ اور اپنی سنت" اس حدیث کی تشریح میں سنت سے مقصود ہر لفظی روایت اور متن متن کی حدیث نہیں ہے' بلکہ آپ کا عمل متواتر اور موطا طریق ہے جو قرآن پاک کی صحیح تفسیر و تشریح ہے'

## سنت اور بدعت

آپ نے دیکھا کہ سنت کی حقیقت کیا ہے اور احادیث میں جس سنت کے اتباع کی بار بار تاکید آئی ہے وہ کیا چیز ہے اور "علیکم بسنتی" میرا طریقہ اختیار کرو'

بعض امور کے متعلق من سنتی میرا طریقہ کہنا' بعض چیزوں کے متعلق اصبت السنۃ تم نے سنت کو پالیا کہنے کا کیا مفہوم ہے'

اسی سنت کا متقابل بدعت ہے' جس کے معنی نئی بات کے ہیں' اور ہمیشہ سنت اور بدعت یہ دونوں لفظ متقابل اور ضدین کی حیثیت سے بولے جاتے ہیں' کیونکہ سنت کے معنی ہیں وہ طور طریق جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا' پھر بدعت کے معنی ہیں اس کو چھوڑ کر اور اس سے الگ ہو کر اپنے لئے کوئی نئی راہ عمل اختیار کرنا اسی لئے پہلی چیز ہدایت اور دوسری ضلالت ہے۔

## کیا سنت عبرانی لفظ ہے ؟

اردو کے اسی سابق الذکر رسالہ میں اسی سابق الذکر مضمون نگار نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ سنت کا لفظ عبرانی "مسناۃ" سے نکالا ہے' یہودیوں نے تورات کو چھوڑ کر اس قسم کے مجموعہ روایت کو اپنا فقہ بنالیا تھا' جس کو وہ مسناۃ کہتے تھے' اسی طرح مسلمانوں نے کتاب اللہ کو چھوڑ کر جس چیز کو اپنا فقہ بنایا ہے' اس کا نام بھی اسی لفظ مسناۃ سے لیکر سنت بنالیا ہے

افسوس ہے کہ یہ تحقیق انیق ہر قسم کے اندرونی و بیرونی اسلامی و لغوی' عربی و عبرانی تحقیقات کی ٹکسال سے باہر ہے' اور ایسا دعویٰ کرنا اہل علم کی نگاہوں میں اپنی حقیقت کو عریاں پیش کرنا ہے

عبرانی لفظ مسناۃ "س" سے نہیں ہے' بلکہ "ث" سے ہے' یعنی مثناۃ جو عربی میں مثنیٰ اور اثنین اور تثنیہ کی صورت میں ہے' اس کے لفظی معنی دو کے ہیں' اور یا تکرار اور دہرائے ہوئے کے ہیں' مثناۃ تورات کی پانچویں کتاب کا نام ہے' جس کو آج کل عربی میں "تثنیہ" کہتے ہیں' اور غلطی سے اس کا ترجمہ استثناء کر دیا گیا ہے

انگریزی میں اس کا ترجمہ ڈیوٹرونومی ہے' جس کے لفظی معنی دوہی مثنیٰ اور مکرر کے ہیں' تورات کے وہ وہ قوانین جو پچھلی کتابوں میں مذکور ہیں' اس کتاب میں ان کو ایک نئی ترتیب کے ساتھ مرتب اور مدون کر کے پیش کیا گیا ہے' اس لئے اس کا نام مثناہ تثنیہ' یا مثنیٰ اور مکرر رکھا گیا' خود قرآن پاک نے اپنے اوپر مثناۃ کی جمع مثانی کا اطلاق متعدد آیتوں میں کیا ہے' غور کیجئے کہ اس مثناۃ کے لفظ کو سنت سے کیا تعلق ہے' مثناۃ کوئی ایسا لفظ نہیں جو علمائے سلف اور لغویین عرب کو معلوم نہ ہو' لسان العرب' صحاح جوہری' مجمع البحار' نتنی سب میں یہ لفظ مثنیٰ کے تحت میں مذکور ہے' اور اس کے معنی لکھے ہیں اور اس پر تھوڑی سی بحث کی ہے' سنت خالص عربی زبان کا لفظ ہے' اس کے لفظی معنی راستے کے ہیں' لیکن بول چال میں اس کے معنی' اس طریقہ عمل کے ہیں جس پر ہمیشہ کوئی عمل جاری رہے قرآن پاک میں یہ لفظ اسی معنی میں مستعمل ہے۔

قد مضت سنۃ الاولین' — گذشتہ قوموں کا طریق عمل گذر چکا ہے

8:38 (انفال)

الا ان تاتیھم سنۃ الاولین — لیکن یہ کہ گذشتہ قوموں کا طریق عمل ان کے ساتھ ہو جائے'

18:55 (کہف)

سنۃ من قد ارسلنا قبلک — ان لوگوں کا طریقہ عمل جن کو ہم نے تم سے پہلے رسول بنایا'

8.77 (اسرائیل)

سنۃ اللہ کا لفظ قرآن مجید میں اس معنی میں کئی دفعہ آیا ہے

| | |
|---|---|
| وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا ؕ | خدا کے طریق عمل میں تم تبدیلی نہ پاؤ گے ' |
| (سورۃ فتح) 48:23 | |
| (سورۃ احزاب) 33: 62 | |
| وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَحْوِيلًا ؕ | خدا کے طریق عمل میں تم تغیر نہ پاؤ گے ' |
| (فاطر) 35:43 | |

کیا اس سے بھی زیادہ ہم کو اپنی شہادت کیلئے کسی اور دلیل کی ضرورت ہے۔

## سنت اور بدعت کا معیار

مسلمانوں میں اختلاف کا آغاز قرن اول ہی سے ہو گیا تھا لیکن غور سے دیکھئے کہ یہ اختلاف زیادہ تر نظریات و آراء کا تھا ' جن کو عمل سے تعلق نہ تھا کیونکہ غیر مادی ' غیر محسوس امور کے متعلق کوئی محسوس و مادی عملی شہادت پیش نہیں کی جا سکتی تھی ' مثلاً یہ کہ خلافت مسلمانوں کے مشورے سے ہے یا نص الٰہی سے ہے ' یہ شیعہ اور اہل سنت کے درمیان سب سے اہم بحث ہے ' یا یہ کہ قیامت میں دیدار الٰہی ان ظاہری آنکھوں سے ہو گا ' یا نہیں ؟ یہ ایک معرکۃ الآراء ' اختلافی بحث معتزلہ اور اشاعرہ و ماتریدیہ کے درمیان رہا ہے ' لیکن یہ تمام اختلافات نظریاتی حیثیت رکھتے ہیں ' ان مسائل میں جن کی حیثیت عملی ' مادی اور محسوس تھی ' مسلمانوں میں کوئی بڑا اختلاف کبھی پیدا نہیں ہوا ' اس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متواتر عملی سنت سب کے پیش نظر تھی ' اور یہ اسلام کا سب سے بڑا امتیاز تھا ' رفع یدین ' آمین بالجہر ' وضع ید علی الصدر ' قراءت فاتحہ خلف الامام کی بحث اگر فریقین کا غلو اور تعصب علیحدہ کر دیا جائے تو یہ صرف افضلیت کی بحث رہ جاتی ہے جو زیادہ اہم نہیں۔

یہ ہر مذہب کا اصول کلی ہے ' خصوصاً اسلام کا اور فطرتاً ایسا ہی ہونا بھی چاہئے کہ

ہر مذہب کا بہترین عہد اور دور وہ ہوتا ہے، جو خود صاحب مذہب کا مبارک زمانہ ہوتا ہے، اس کے بعد اس کے جانشینوں اور صحبت یافتوں کا، پھر رفتہ رفتہ اس میں ضعف ہوتا جاتا ہے، اور اس کے مذہب کا قوام بگڑتا جاتا ہے، اب اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ یہ اصل مذہب نہیں، بلکہ وہ ہے، قرآن کا یہ حکم نہیں، بلکہ وہ ہے تو اس کا فرض ہے، کہ رسول کے مبارک عہد میں جو طرز عمل اس کو نظر آتا ہے، اس کو اصل مذہب کا معیار قرار دے، اور جو چیز اس عہد میں نظر نہیں آتی، اور بعد کو وہ شامل ہو جاتی ہے، اس کو مذہب سے خارج یعنی بدعت قرار دے، اس اصول کی بنا پر جو بالکل واضح ہے، ہر اس شخص کا جو اسلام کے اصلی پیکر کی جلوہ آرائی کا مدعی ہے اور قرآن کی صحیح تعلیم کو آج دنیا میں پیش کرنا چاہتا ہے، یہ فرض ہے کہ وہ اس اصلیت اور اس صحیح تعلیم کے خدوخال اس عہد مبارک کی عملی زندگی میں دکھائے، اور یہ بتائے کہ آج جو غلطیاں اس کو نظر آتی ہیں، وہ اس وقت نہ تھیں، بلکہ بعد کو اسلام میں داخل ہو گئی ہیں، مثلاً یہ بتائے کہ اس عہد مبارک میں صرف دو وقت یا تین وقت کی نماز تھی، بعد کو بخاری و مسلم و ابوداؤد مرتب ہوئیں تو مسلمانوں میں پانچ وقتوں کی نماز کا رواج ہوا، پہلے اس طرح نماز پڑھی جاتی تھی، بعد کو اس میں فقہاء اور محدثین نے یہ اضافہ کر دیا، اگر یہ ثابت نہیں ہو سکتا، اور یقیناً ثابت نہیں ہو سکتا، تو یہ ماننا پڑے گا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (نعوذ باللہ) اپنے زمانہ میں اپنی وحی کے سمجھنے میں غلطی کی، اور اب اس کو ہندوستان کے عجمی اپنی معمولی صرفی و نحوی لیاقت سے درست کر رہے ہیں، کیا کوئی مسلمان بلکہ انسان بھی ایسا معتقدانہ دعویٰ کر سکتا ہے؟

معارف اگست ۱۹۲۹

# پھر بحث سنت

## کچھ اور اختراعات والزامات

### (۱)

دوستوں کو یاد ہوگا کہ اگست ۱۹۶۰ء کے معارف میں ایک صاحب (۱) کے جواب میں "سنت" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا گیا تھا جس میں مدعی مذکور کے اس خیال کی تردید کی گئی تھی کہ سنت اور زبانی روایات یا حدیث ایک چیز ہیں اور اس کے اس اختراع کی غلطی ظاہر کی گئی تھی کہ مسلمانوں کا لفظ سنت "یہودیوں" کے لفظ "مسناۃ" سے ماخوذ ہے جو یہودیوں کے ان زبانی روایات کے مجموعہ کا نام ہے جو سنہ عیسوی سے پہلے دوسری صدی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تقریباً ڈیڑھ ہزار برس بعد مرتب ہوا تھا۔

اس مضمون سنت کے چھپنے کے بعد مدعی مذکور نے پہلے خط و کتابت کے ذریعہ سے سوال و جواب کیا اور اس کے بعد ایک طویل مضمون اپنے مدعا کے اثبات اور

---

(۱) نیاز فتح پوری

میری تردید میں چھپوایا' جہاں تک اصل مسئلہ کا تعلق ہے' آپ کے جواب میں انشاءاللہ کوتاہی نہ ہوگی' لیکن موصوف کے مضمون کے لب و لہجہ اور طرز و انداز کے جواب کی توقع کم از کم معارف میں نہ رکھنی چاہیے۔

مجھے یہ ظاہر کرنے میں خوشی ہے کہ معارف کے اس مضمون سے' کو اللہ تعالٰی نے توقع سے زیادہ کامیابی بخشی' موافقین کے علاوہ بعض مذہب دوستوں کے شکوک بھی اس سے دور ہوگئے'

مگر افسوس ہے کہ اصل مخاطب کو اس سے تشفی نہیں ہوئی' بلکہ اپنی غلطی یا غلط فہمی پر ان کا اصرار اور بڑھ گیا' موصوف کو میرے انگریزی نہ جاننے پر تاسف ہے' یہ تاسف مجھے خود بھی ہے' مگر ان کی تسلی کے لئے بطور اظہار واقعہ یہ امر ان پر ظاہر کر دینا ہے کہ ان کی آرزو کے مطابق میں کم از کم اتنی انگریزی جانتا ہوں کہ انسائکلوپیڈیا کے تاریخی و مذہبی مضامین پڑھ اور سمجھ سکوں' انہیں اس کا اطمینان رکھنا چاہیے' اور یہ بات ان کو میری اس تصنیف (ارض القرآن) کو پڑھ کر سمجھ لینی چاہیے تھی' جس کی ابھی انہوں نے اپنے والا نامہ مورخہ ۲۰ فروری ۱۹۳۰ء میں تعریف و توصیف کی ہے' اور اپنے مضامین میں اس سے سرقہ کا "خلوت" اعتراف بھی کیا ہے' اور ناظرین بھی ان کے مضامین "قرآن مجید و آثار قدیمہ" اسلامک ریویو اور اشاعت اسلام میں دیکھ کر فیصلہ کر سکتے ہیں۔

مضمون زیر بحث میں دو قسم کی بحثیں ہیں' ایک لفظی اور دوسری معنوی' دونوں بحثوں کو علیحدہ کر دینا ہے' تاکہ مسئلہ صاف ہو جائے۔

## مثنات اور سنت

لفظی بحث یہ ہے کہ ہمارے دوست کا دعویٰ ہے کہ یہود اپنی زبانی روایات کو "مثناۃ" اور مسلمان اپنی زبانی روایات کو "سنت" کہتے ہیں' مسلمانوں کا یہ عربی لفظ

"سنت" یہودیوں کے عبرانی لفظ "مسناۃ" سے ماخوذ ہے' دونوں بالکل ایک لفظ ہیں اور ہم معنی ہیں۔

میں نے اگست ۱۹۲۹ء کے معارف میں مدعی کی اس تحقیق سے اختلاف کیا اور ثابت کیا کہ اول عبرانی لفظ "مسناۃ" "س" سے نہیں بلکہ "ش" سے ہے یعنی "مشناۃ" اور دوم' اس کے معنی عبرانی میں دوسرے' دوہرانے اور اعادہ و تکرار کے ہیں' ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ اس کا اطلاق موسیٰ کی پانچویں کتاب پر ہوتا ہے' جس کو یونانی ڈیوٹرونومی کہتے ہیں جس کے معنی دوسرے اور دوسرے قانون کے ہیں' اور عبرانی میں اس کو مشنا کہا جاتا ہے اور عبرانی میں مشناۃ کہتے ہیں' اور آج کل کنیسۃ الاشتراع (دوبارہ قانون سازی) کہتے ہیں اور ان سب کا مادہ عبرانی میں "شنا" اور عربی میں "ثنی" اور ان دونوں کے معنوں میں دونوں زبانوں میں دو' دوم اور دوہرانے کا مفہوم ہے اور سنت خالص عربی لفظ ہے جس کے لغوی معنی راستہ اور طریق کے ہیں' اور اصطلاح میں اس کے معنی وہ طریق ہے جس پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام عمر قائم رہے اس کے معنی زبانی روایات کے نہ لغوی ہیں نہ اصطلاحی' اس لئے عبرانی "مشناۃ" اور عربی سنت میں کوئی باہم مشارکت و مماثلت نہیں اور نہ عربی سنت عبرانی مشناۃ سے ماخوذ ہے۔

ہمارے مخاطب اول نے اس مضمون کو پڑھ کر 5 دسمبر 1929ء کو مجھے خط لکھا کہ "تمہاری تحقیق غلط ہے' ڈیوٹرونومی کے لئے مسناۃ (س) لفظ ہے' اور مشنا بالکل جداگانہ لفظ ہے" "میں "ایک سے زائد یہودی" عالموں سے اس لفظ کی تحقیقات کر چکا ہوں' اور اس کی تائید انسائیکلوپیڈیا ہائیکا سے بھی مل سکے گی۔"

"اگر اس کے معنی آپ سنت سے علیحدہ دکھائیں تو میں بہ جان لوں"

میں نے اس کے جواب میں جو کچھ لکھا اس کا مطلب یہ تھا کہ مشنا توراۃ کی پانچویں کتاب پر بھی اطلاق کیا گیا ہے' اور تالمود کے ایک حصہ کا نام بھی ہے' یہ کوئی اہم

نقطہ اختلاف نہیں ہے بلکہ اصل چیز "مشنا" کے معنی ہیں' ساتھ ہی میں نے اطلاع دی کہ "مشنا" کے معنی تعلیم اور سکھانے کے بھی ہیں' انہوں نے اس کے ماننے سے بھی انکار کیا' اور لکھا کہ تم کو تالمود کے معنی سے دھوکا ہوا ہے' جس کے معنی واقعا تعلیم اور سکھانے کے ہیں' اب اس تازہ مضمون میں ہمارے دوست نے پھر اپنی پرانی تحقیق کو بہت فخر و ناز کے ساتھ دہرایا ہے' مگر صرف دہرایا ہی ہے' کوئی دلیل یا حوالہ نہیں درج فرمایا ہے۔

اب نقطہ اختلاف دو ہیں۔

1- کیا تورات کی پانچویں کتاب کو بھی عبرانی زبان میں مشناہ لکھتے ہیں۔

2- کیا سنت اور مشنا ایک ہیں۔

## مشنا تورات

تورات کی پانچویں کتاب کو میرے "مشنا" کہنے پر مدیر نے مضحکہ اڑایا ہے اور فرمایا ہے کہ "ایک یہودی بچہ بھی اس کو سن کر ہنس دے گا" مگر میں انہیں یقین دلاتا ہوں کہ تحقیق کا راستہ مضحکہ سے مراحل دور ہے' تورات کی پانچویں کتاب کا نام "قانون ثانی" اس لئے رکھا گیا ہے کہ قانون اول کے بعد دریائے اردن کے اس پار حضرت موسیٰ نے اس کو دوبارہ بیان کیا' جیسا کہ اس کتاب کے آغاز میں تحریر ہے' اس کا عبرانی نام "الودی دبرات" بھی ہے' مگر بعد کو شاید مصر کے ترجمہ سبعینی کے وقت سے اس کا نام "مشنا تورات" مشہور ہو گیا' جس کے معنی "قانون دوم" کے ہیں' اسی لئے یونانی اور اس سے یورپ کی زبانوں میں اس کا نام "ڈیوٹرونومی" یعنی دوسرا قانون پڑا اور اسی لئے پرانی عربی میں "مثناۃ" اور نئی عربی میں اس کا نام تثنیۃ الاشتراع ہے' یعنی "دوبارہ قانون بنانا" بہر حال ان سب کے معنوں میں دو' دوم اور دہرانے کا مفہوم

داخل ہے' جس سے یہ مسئلہ حل ہو جاتا ہے کہ توراۃ کی اس کتاب کے لئے جس لفظ کا
لفظ لایا جاتا ہے' وہ "ش" سے ہے "س" یا "ث" سے نہیں' جیسا کہ مدعی کا دعویٰ ہے'
کیونکہ دوبارہ دوم کے لئے جو عبرانی مادہ ہے وہ "شنا" ہے۔

حوالوں کے لئے سب سے پہلے "ڈکشنری آف بائبل" (مرتبہ جیمس ہسٹنگز
وغیرہ) جلد اول ص 596 مطبوعہ 1900ء ملاحظہ فرمایئے' جس میں لکھا ہے کہ اس
کا نام ڈیوٹرونومی عبرانی الفاظ "مشناتوراۃ" کا ترجمہ ہے' جس کے معنی نسخہ ثانیہ کے
ہیں' اس کے بعد انگریزی کی مشہور ڈکشنری ویبسٹر انٹرنیشنل میں لفظ ڈیوٹرونومی دیکھئے
اس میں ہے۔

"ڈیوٹرونومی اس کو اس لئے کہتے ہیں کہ یہ موسیٰ کے قانون کا دہرانا (یا اعادہ)
ہے' کتاب عبرانی لغت میں دیکھ لیجئے کہ دہرانے اور دوسرے اور دوبارہ کرنے کے لئے
لفظ شناہ ہے' شنا یا ثنی یا ثنا نہیں ہے' جیسا کہ ہمارے محقق دوست ہم کو باور کرانا چاہتے
ہیں' جیسا کہ آگے بتفصیل معلوم ہوگا۔

میرے مضمون سنت کی اشاعت کے بعد موصوف نے 5 دسمبر 1929ء
کو جو خط مجھے لکھا تھا اس میں ارقام فرماتے ہیں۔

"شنہ جس کے معنی ڈیوٹرونومی کے کئے گئے ہیں' وہ مثنا سے بالکل جدا لفظ ہے'
اور اس کا تلفظ مشنا ہے"

اب موصوف اپنے تازہ مضمون میں ڈیوٹرونومی کے لئے ہم کو لفظ شنی بتاتے ہیں'

ع کہے یہ حکم ہے کہئے وہ اور شاد رہے

اگر آپ کے کہنے سے توراۃ مجسم کے لئے مثنا صحیح مانا جائے تو تالمود
کے لئے بھی تو آپ نے مشنا اور مشناۃ کا تلفظ پہلے مضمون میں لکھا ہے' اب
یہ التباس کیونکر دور ہوگا۔

آپ میرے قول کی تکذیب کے لئے توراۃ ججم اور حصہ تالمود دونوں کے درمیان فرق مسنا اور مشنا یا شنہ یا ثنی کر کر لا کھ پیدا کیجئے' سب تک تحقیق کے سامنے رد ہو جائے گا' دونوں لفظ قرشت والی "ش" منقوط سے ہیں' اس غیر منقوط یا ث منقوط سے ان میں کوئی لفظ نہیں پڑتا اور ث کا حرف تو عبرانی میں سرے سے موجود ہی نہیں' اس لئے شنہ یا ثنی تو عبرانی میں ہو ہی نہیں سکتا۔

اب ہمارے دوست غور فرمائیں کہ کس کی تحقیق پر "ایک یہودی بچہ بھی ہنس دے گا" در سفالین کاسۂ رنداں بخواری منگرید۔

کایں حریفاں خدمت جام جہاں بیں کردہ اند

## ثنا' مسنا اور سنت

بہر حال یہ مسئلہ کہ مشنا تالمود مراد ہے' یا مشنا تورات ایک ضمنی بحث ہے' اصل سوال یہ ہے کہ کیا عبرانی "مسناہ" اور عربی سنت ایک چیز ہے۔

اس سلسلہ میں ہم اپنے محقق دوست کی ایک دلچسپ لفظی تحریف کا ذکر مناسب سمجھتے ہیں' اصل عبرانی لفظ مشنا (ش منقوط) ہے جیسا کہ میرے ٹوکنے پر اب اس دوسرے مضمون میں انہوں نے استعمال کیا ہے' مگر پہلے مضمون میں اس کا عبرانی تلفظ "مسناۃ" بتایا تھا اور یہ اس غرض سے تاکہ سنت اور مسناۃ میں س "ن" اور "ۃ" کا اشتراک ہو جائے اور یہ دعویٰ بآسانی ثابت ہو جائے کہ سنت اور مسناۃ ایک ہیں' اور اب جب انہیں معلوم ہوا کہ عبرانی کا حرف شناس ان کے سوا کوئی اور بھی ہے' تو مجبوراً اس کے لئے دوسرے مضمون میں (مشناس) منقوط سے لائے' یا للعجب!

میں نے اپنے سنت والے مضمون میں یہ دکھایا تھا اور پھر باعلان دعویٰ کرتا ہوں کہ سنت اور مشنا میں کوئی لفظی یا معنوی مناسبت نہیں ہے' مشنا کے معنی اگر قول ان

کے زبانی روایات کے ہیں' تو سنت کے معنی عربی میں طریق، روش اور راستے کے ہیں
قرآن میں سنت کا لفظ انہی معنوں میں بار بار آیا ہے۔ احادیث میں انہی معنوں میں
استعمال ہوا ہے' اور لغت اور اشعار عرب میں بھی ان ہی معنوں میں یہ لفظ بولا گیا ہے'
قرآن پاک میں ہے ولن تجد لسنۃ اللہ تحویلا' کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ تم
خدا کی "زبانی روایتوں" میں ہرگز تبدیلی نہ پاؤ گے' یا یہ معنی ہیں کہ تم خدا کے
طریق اور طرز عمل میں کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے؟

احادیث میں ہے من سن سنۃ حسنۃ فلہ اجرھا' کیا اس کے یہ
معنی ہیں کہ کوئی اچھی "زبانی روایت" کرے گا تو اس کو اس قسم کی نیکیاں ملیں گی' یا
یہ معنی ہیں کہ جو شخص کوئی اچھا اور پسندیدہ راستہ' طریقہ نکالے گا تو اس کو بھی اس کی
نیکیاں ملتی رہیں گی'

مشہور حدیث ہے النکاح من سنتی' کیا اس کے معنی یہ ہیں کہ نکاح

میری زبانی روایت ہے' یا یہ معنی ہیں کہ نکاح میرا طریقہ ہے' اشعار عرب میں ہے۔

وان الالی بالطف من آل ھاشم تاسوا فسنوا للکرام التاسیا

(آل ہاشم وہ جو طف میں ہیں' انہوں نے باہم غمخواری کی' تو غم خواری کو
شریفوں کا طریقہ بنا دیا)

"سنو" کے معنی یہاں عملی طریق، روش و طرز عمل کے ہیں' یا زبانی روایت
کے' زبانی روایت کے معنی ہو بھی سکتے ہیں اور بن بھی سکتے ہیں؟؟

یہ تو عربی زبان کی تحقیق ہوئی' اب آئیے عبرانی زبان کی خانہ تلاشی کی

جانے "مشنا" کے معنی "زبانی روایت" کے ہیں؟ اس بارے میں میں نے پہلے جو لکھا تھا اس کو دہرا دیتا ہوں کہ یہ وہی لفظ ہے جو عربی میں ثنی، مثنیٰ وغیرہ کی صورت میں ہے اور اس کے معنی دہرانے دوبارہ کرنے اور دوسرا ہونے کے ہیں۔ مضمون نگار کا دعویٰ ہے کہ اس کے معنی "زبانی روایات" کے ہیں، میں سوا اس کے اور کیا کہوں۔

صیاد شنی شو تو زنجیر کن      چیزے کہ نخواندۂ تو تفسیر کن

ان کی تشفی کے لئے ان کے حسب مشورہ میں سب سے پہلے یورپ کے علمی صحیفہ کو پیش کرتا ہوں جس پر ان کا ایمان شاید تمام دوسرے مشرقی صحیفوں سے زیادہ ہو انسائیکلوپیڈیا برٹینکا طبع یازدہم کے مضمون تالمود کے شروع میں (جلد 26، صفحہ 380) ہے۔

"تالمود (عبرانی میں: سیکھنا سکھانا) مشتمل ہے مشنا پر (عبرانی میں (زبانی) دہرانا

پھر اسی کتاب کے اسی ایڈیشن (یازدہم) کی جلد 13 صفحہ 107 مضمون ہیبرو (عبرانی) کے ضمن میں ہے۔

"مشنا کا نام عبرانی لفظ "شنا" سے مشتق ہے جو آرامی لفظ "تنا" سے مماثل ہے اور اسی لئے یہ نام کتاب کے لئے موزوں ہے، جس کے معنی زبانی قانون کے دہرانے یا سکھانے کے ہیں۔

ان دونوں اقتباسوں سے ظاہر ہے کہ اس کے اصلی معنی دہرانے یا سکھانے کے ہیں، لفظ زبانی یا زبانی قانون کا اضافہ اگر کسی نے کر دیا ہے، تو وہ لغت کی حیثیت سے نہیں، بلکہ صرف وجہ تسمیہ کی مناسبت دکھانے کے لئے خارج سے اضافہ کر دیا گیا ہے، تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ یہ نام اس کا کیوں پڑا۔ اس کی تائید کے لئے میں لغات عبرانی کا حوالہ پیش کرتا ہوں۔

| | |
|---|---|
| شناوشنہ | بدل جانا' جدا ہونا' دوبارہ کرنا' دہرانا |
| شنیم | دو' |
| شنیم | دوبارہ |
| مشنہ | دوسرا درجہ' دوسرے درجہ کا' دوچند |
| مشنا | دوسرا |

لغات عبرانی مصنفہ پادری ولیم ہوپر اسمتھ' دوتی کالج' شائع کردہ پنجاب رلیجس سوسائٹی الہ آباد 1880ء صفحہ 420) میں اس کے معنی بھی عبرانی میں دوبارہ کرنا' دوسرا اور پھر کے ہیں' یہی لفظ عربی میں اثنین' اثنین' اثنین' مثنیہ' مثنی' ثنی اور ثنی ہے' پہلے تمام الفاظ کے معنی دو اور دوسرے کے ہیں اور آخر لفظ کے معنی پھیرنے کے ہیں۔

مشنا اور اس کے مصدر شنا کے یہی تمام معنی عبرانی انگریزی ڈکشنری شائع کردہ سموئل باگسٹر (لندن) میں 272'273 میں ہیں' تحقیق کیلئے کتاب مذکور کی طرف رجوع کیجئے۔

انگریزی کی مشہور ڈکشنری ویبسٹرز انٹر نیشنل ڈکشنری ہے اس میں "مشنا" (Midhna) کی نسبت حسب ذیل تحقیق ہے۔

"مشنا (عبرانی مشناہ) یعنی تعلیم' زبانی قانون' عبرانی لفظ شنہ سے ماخوذ ہے جس کے معنی دہرانے (ری پیٹ) کے ہیں' قدیم بائبلکل عبرانی میں اس کے معنی' سیکھنے سکھانے کے ہیں' یہ یہودیوں کے روایتی تعلیمات کو کہتے ہیں جو ربیوں کے زیر نظر خاص طور سے تیسری صدی عیسوی میں مرتب ہوئیں' تالمود کے ایک حصہ کا نام ہے' جس پر اس کی بنیاد ہے۔

صاف ظاہر ہے کہ "زبانی روایات" اس کے لغوی معنی نہیں' اس کے لغوی معنی دہرانے اور اعادہ کرنے اور دوبارہ کرنے اور دوسرے درجہ کے ہیں' اسکا اطلاق یہود اپنی زبانی روایات کی کتاب پر اسلئے کرتے ہیں کہ وہ گزشتہ قانون کا اعادہ ہے' یا

پہلے قانون پر نظر ثانی ہے' یا تورات کے مکتوبی قانون کے بعد یہ زبانی روایت کی کتاب دوسرے درجہ پر ہے' یا قدیم عبرانی کے مطابق اس کے معنی سیکھنے' یا سکھانے کے لے کر اس کی کوئی مناسب وجہ تسمیہ بنائی جائے۔

## مثناۃ

اب میرا کہنا وہی ہے' جو پہلے کہا جا چکا ہے' کہ جس کو عبرانی میں مشنا یا مشناۃ کہتے ہیں' وہی عربی تلفظ میں مثناۃ ہے جس کے معنی دو یا دوہرانے کے ہیں' اور ساتھ ہی یہ بھی عرض ہے کہ عبرانی مشنا جس کا اطلاق قانونی کتاب پر ہوا ہے' اس کے لئے بھی عربی لفظ "مثناۃ" ہے اور اس کی جمع "مثانی" ہے اور خود قرآن پاک نے اس کا کئی مقام پر اپنے اوپر اطلاق کیا ہے۔

| | |
|---|---|
| ولقد اٰتینٰک سبعًا من المثانی<br>(الحجر) 15:87 | اور ہم نے اے پیغمبر! تم کو "مثانی" میں سے سات دیے' |
| نزل احسن الحدیث کتابا متشابھا مثانی<br>(الزمر) 39:23 | اس خدا نے اتارا بہترین کلام' ایک کتاب جو باہم موافق اور "مثانی" ہے |

مثناۃ کے معنی کتاب کے بھی عربی میں موجود ہیں' تیز مشنا یا تالمود کے لئے وہی لفظ عربی میں مستعمل ہے' لسان العرب لفظ ثنی کے تحت میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کی ایک روایت کی شرح میں ہے۔

| | |
|---|---|
| قیل وما المثناۃ قال' استکتب من غیر کتاب اللہ کانہ جعل ما استکتب من کتاب اللہ مبدا وھذا مثنی' قال ابو عبیدہ سالت رجلاً من اھل | پوچھا گیا کہ مثناۃ کیا ہے' کہا جو خدا کی کتاب کے سوا لکھا گیا' گویا خدا کی جو کتاب لکھی گئی' وہ پہلی تھی' اور یہ دوسری ہے' ابو عبیدہ نے کہا کہ میں نے تورات کے ایک عالم سے جو مثناۃ سے واقف تھا' اس کو پڑھ |

العلم بالكتاب الاول فذعرفها وقرأها عن المشناة فقال ان الاحبار والرهبان من بني اسرائيل من بعد موسى وضعوا كتابا فيما بينهم على ما ارادوا من غير كتاب الله فهو المشناة"

چنانچہ پوچھا کہ مشناۃ کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہودی عالموں اور درویشوں نے حضرت موسیٰ کے بعد اپنے حسب خواہش خدا کی کتاب کے سوا ایک اور کتاب بنالی تھی، وہی مشناۃ ہے"

# خاتمہ

کیا عبرانی مشناہ بعینہ یہی عربی مشناۃ نہیں ہے، اب بھی شک کی گنجائش ہے؟
بہر حال اس سخت گیری کی پالیسی سے ہم اپنے حریف کو دق کرنا نہیں چاہتے، بلکہ یہ عرض کرتے ہیں کہ خواہ آپ توراۃ کی پانچویں کتاب مراد لیجئے یا تالمود کی کتاب، دونوں کا ماخذ عبرانی لفظ شنا اور شنہ ہے، جس کے معنی بدلنے دہرانے یا دوسرا ہونے یا دوبارہ ہونے کے ہیں یا سیکھنے کے ہیں اور سوائے آخر معنی کے الفاظ مثنی، مثنیہ اور ثنی اس کے مرادف ہیں، اور عربی لفظ سنت کو جس کے لغوی معنی راستہ اور طریق کے اور اصطلاحی معنی طریق محمدی کے ہیں، اس سے ادنیٰ سا بھی تعلق نہیں، سنت کا مادہ س ن ن یعنی سنن ہے، اور مشنا یا مشناۃ کا عبرانی میں ش ن ہ یا الف اور عربی میں ث ن ی ہے، اس تفصیل کے بعد امید ہے کہ ہمارے دوست اپنی تحقیق پر مزید نظر ثانی فرما کر علم اور اسلام دونوں کو اپنا ممنون احسان بنائیں گے، ورنہ ان کی تحقیق کو تو ال ان کے ایک یہودی بچہ بھی سن کر ہنس دے گا"۔
آخر میں ایک اور بات عرض کر دوں کہ "مشنا" زبانی روایات کو بھی نہیں کہتے،

ہاگدا اس کتاب کا نام ہے جس میں یہود نے اپنی زبانی روایات کو جمع کیا ہے' اگر گلستان اخلاقی قصص و حکایات کے کسی مجموعہ کا نام ہے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ گلستان کے معنی اخلاقی قصص و حکایات کے ہیں۔

دوران تحقیق میں فرماتے ہیں کہ

"مولانا کی یہ دلیل اور بھی پر لطف ہے کہ سنت کا لفظ قرآن میں ہے' اس لئے یہ عبرانی زبان سے ماخوذ نہیں"

میں نے اگر ایسا کہا ہو تو یہ یقیناً غلط ہے۔ لیکن

ع سخن شناس نہ' دلبرا خطا ایں جاست

میں نے خدمت والا میں یہ عرض کیا تھا کہ

"سنت خالص عربی زبان کا لفظ ہے' اس کے لفظی معنی راستے کے ہیں' لیکن بول چال میں اس کے معنی طریقہ عمل کے ہیں' جس پر ہمیشہ کوئی عمل جاری رہے قرآن پاک میں یہ لفظ اسی معنی میں مستعمل ہے"۔

ہر صاحب بصیرت میرے استدلال کو سمجھ سکتا ہے' کہ عبرانی لفظ مشناہ (ش) عربی میں مثناۃ (ث) ہے اور جس کے معنی دونوں زبانوں میں دوسرے یا دہرانے یا اعادہ کے ہیں' اور اس سے الگ "سنت کا لفظ ہے' جس کے معنی راستہ اور طریق کار کے ہیں' اور عربی میں یہ دونوں لفظ الگ الگ مستقل صورتوں میں وارد ہیں اور خود قرآن پاک میں ہیں۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ — ہم نے تم کو "مثانی" میں سے سات دیئے'

مثانی جمع ہے' واحد کی صورت میں مثناۃ ہے' اور سنت الگ ہے'

سُنَّةَ الْاَوَّلِيْنَ' — پہلوں کا راستہ یا طریقہ یا سنت

اگر شناة اور سنت ایک لفظ ہوتے تو عربی میں شناة اور سنت دو لفظ موجود نہ ہوتے' اور قرآن ان کو دو لفظ دو تلفظوں کے ساتھ دو معنوں میں استعمال کرتا' اس سے معلوم ہوا کہ شناة اور سنت دو الگ الگ مستقل اور مختلف المعنی لفظ ہیں یہ ہے میرا استدلال جس کی آپ نے غلط تعبیر کی' میرے گزشتہ مضمون پر ایک نظر ڈالنے سے مضمون نگار کی غلط فہمی رفع ہو سکتی ہے'

معارف جولائی 1930ء

# عرب و امریکہ

# عرب و امریکہ

عام طور سے مشہور ہے کہ امریکہ کو کولمبس نے 1398ء میں دریافت کیا
جب یہ شہرت اس لحاظ سے تو صحیح ہے کہ عام متمدن پرانی دنیا کو اس نئی دنیا سے پوری
واقفیت اسی وقت سے ہوئی اور اسی کے بعد سے دونوں میں میل جول اور ہر قسم کے
علمی و تمدنی و تجارتی تعلقات قائم ہوئے۔ یہاں تک کہ آج نئی اور پرانی دنیا ایک گھر
کے آنگن بن گئے ہیں مگر یہ صحیح نہیں کہ کولمبس سے پہلے اس نئی دنیا میں پرانی دنیا کی
کسی فرد اور قوم یا شناس کے قدم نہیں پہنچے۔

یہ مسئلہ کہ امریکہ تک کبھی عرب جہاز راں پہنچے تھے؟ تو ہندوستان میں
نیا ہو مگر مصر کے بعض ممتاز فضلاء نے اس پر متعدد اوقات میں بحث کی ہیں۔ علامہ
ذکی پاشا نے سسلی کے عرب جغرافیہ نویس ادریسی المتوفی 560ھ کی نزہۃ المشتاق
فی اختراق الآفاق کا ایک حوالہ پیش کیا تھا جس میں بحر ظلمات میں اندلس کے چند
عرب نوجوان جہاز رانوں کے بہہ جانے کا ذکر ہے مگر ابھی تک نہ تو مصر میں اور نہ
ہندوستان میں اس مسئلہ کے تمام اطراف پر بحث کی گئی اور نہ تمام ممکن مواد یکجا فراہم
کیا گیا ہے۔

اس سلسلہ میں حسب ذیل باتیں تحقیق کے قابل ہیں:

1- کیا عربوں نے اور زیادہ عام لفظوں میں کیا مسلمانوں نے "ربع مسکون"
کے پرانے نظریہ کی تقلید کی تھی؟

2- کیا ان کو زمین کی گولائی اور اس کے تحتانی اور فوقانی حصوں کا علم تھا؟

3- کیا ماورائے بحر ظلمات انہوں نے پہنچنے کی کوشش کی؟

## 4- کیا آج کل کے نئے محققین اس نظریہ کو قبول کر سکتے ہیں؟

ذیل کی سطروں میں ان میں سے ہر ایک مسئلہ پر اپنی تلاش و فکر کے نتیجے
پیش کرتا ہوں، ربع مسکون، بطلیموس نے دو خطوں کے تقاطع سے روئے زمین کے
چار برابر حصے کئے تھے، ایک خط قطب جنوبی سے قطب شمالی تک فرض کیا تھا، اور دوسرا
زمین کے بیچ سے آفتاب کے بالمقابل پہلے خط کو کاٹتا ہوا (اس کو خط استواء کہتے ہیں)
وسط افریقہ سے گذرتا ہے، اس طرح دو خطوں کے تقاطع سے زمین کے چار فرضی حصے
ہوئے دو شمالی اور دو جنوبی اور خط استواء ان دونوں شمالی اور ان دونوں جنوبی حصوں کے بیچ
سے گزرتا ہے، بطلیموس کی رائے یہ ہے کہ انسانی آبادی روئے زمین کے ان چار حصوں
میں سے صرف ایک شمالی حصے میں ہے، اسی کو اصطلاح میں ربع مسکون کہتے ہیں یعنی
چوتھائی حصہ (ربع) جو آباد ہے، (مسکون) باقی تین چوتھائی حصے زیادہ تر سمندروں میں غرق
ہیں اور کچھ گرمی اور سردی کی غیر معتدل شدت کے سبب سے سکونت کے قابل نہیں۔
مسلمانوں نے شروع میں بطلیموس کے اس نظریہ کو بعینہ تسلیم کیا، لیکن
بہت جلد وہ اس پر شکوک و اعتراضات وارد کرنے لگے بطلیموس کے حامیوں نے اس
کی رائے کی صحت پر فلسفیانہ اور طبعی دلائل گھڑ گھڑ کے کھڑے کئے مگر دوسروں نے ان کو
توڑ دیا، اور ایک مدت تک یہ مناظرہ گرم رہا، بیرونی، ابن رشد، طوسی، قطب شیرازی،
شریف جرجانی، برجندی، قوشجی، اور چغمینی کی تصنیفات میں زمین کی ہیئت کے باب
میں یہ بحثیں مذکور ہیں، یہاں مثال کیلئے نصیر طوسی المتوفی 673ھ کے تذکرہ اور اس
کی شرح توضیح التذکرہ مؤلفہ نظام اعرج (تالیف 711ھ) اور اس کے حاشیہ سے کچھ
عبارتیں نقل کرتا ہوں۔

وهذا التقسيم غير صحيح فاسد ايضاً لاننا رأينا لهم في هذه المقدمة شبهة فضلاً

یہ تقسیم صحیح نہیں غلط ہے اس لئے کہ ان کے دعوی کے ثبوت میں کوئی شبہ بھی ہم نے نہیں پایا چہ جائیکہ کوئی دلیل ان کے پاس ہو' اس لئے یہ بالکل ممکن ہے کہ زمین کی

من حجة فعلىٰ هذا يحتمل ان يكون في الارباع الباقية عمارات كثيرة لم يصل الينا خبر هم لما بيننا وبينهم من البحار المفرقة والجبال الشاهقة ومثله على طرالسمتين

باقی چوتھائیوں میں بہت سی آبادیاں ہوں جن کی خبر ہم تک اس لئے نہیں پہنچی' کہ ہمارے اور ان کے درمیان جدا کرنے والے سمندر اور بلند سے بلند پہاڑ ہیں۔

اسی طرح جنوبی حصہ میں آفتاب کی شدتِ گرمی کے سبب سے عدم آبادی کا جو ان کا نظریہ تھا اس پر بھی ضرب کاری لگا کر دور کیا۔

لجواز ان يكون مسكوناً ولا يصل الينا خبر هم للبحار العظيمة والجبال الشامخة الشاهقة المانعتان من ان يصل خبر هم'

(کتاب مذکور)

اس مکان کے سبب سے کہ وہ بھی آباد ہوں' اور ہم تک ان کی خبر اس لئے نہ پہنچی ہو کہ بڑے بڑے دریا' اور پہاڑ بیچ میں حائل ہوں' جو ان کے حالات ہم تک پہنچنے سے مانع ہوں۔

آخر میں اس نظریہ کی کہ صرف "ربع مسکون" ہی کیوں کھلا ہوا ہے' اعتراض اور جواب کے بعد بظاہر کوئی جدید دلیل نہ پا کر کہا'

و بالجملة ليس لا نكشاف هذا القدر المذكور من الارض اى الربع المسكونُ الشمالى سبب معلوم غير النابة الالٰهية والا لما فضل احد الربعين الشماليين بها اى بالعمارة والسكنى دون الآخر مع تساوى ارتفاعهما بالقياس الى السماديات

حاصل یہ کہ زمین کے شمالی چوتھائی حصہ کے صرف کھلے ہونے کا سوائے عنایت الٰہی کے کوئی سبب معلوم نہیں ورنہ کوئی دلیل اس پر ہے' کیوں ایک ہی شمالی چوتھائی حصہ آبادی اور رہنے کے لائق ہو' اور دوسرا نہ ہو' حالانکہ ان کے سب حصوں کی وضع (پوزیشن) فلکیات کی نسبت سے برابر ہے'

(کتاب مذکور)

شارح نے اس "عنایت الٰہی" کے نظریہ کو بھی تسلیم نہیں کیا' اور کہا کہ ممکن ہے کہ عنایت نے دوسرے ربع شمالی میں بھی آبادی رکھی ہو۔

لجواز ان يكون الربع الاخرَ مسكوناً معموراً ولم يَصِلْ الينا خبرهُم'

اس کا پورا امکان ہے کہ دوسرا چوتھائی حصہ بھی معمور اور آباد ہو' اور وہاں کے رہنے والوں کا حال ہم کو معلوم نہ ہو'

(کتاب مذکور)

اس بحث سے اندازہ ہوگا کہ اس پرانی دنیا کے علاوہ دوسری دنیا کا نظریہ مسلمانوں نے علمی استدلال کے طریقے سے سمجھا تھا' اور یونانی نظریہ ربع مسکون کی کوئی طبعی اور فلسفیانہ توجیہ ان کی سمجھ میں نہیں آئی تھی' نویں صدی ہجری کے وسط

میں قاضی زادہ رومی نے محمود چغمینی المتوفی 745ھ (1344) کی ملخص کی شرح میں جس کو اس نے رصد خانہ سمرقند کے بانی سلطان الغ بیگ کے نام سے لکھا ہے کہا ہے

وسائر الارباع خراب ظاهراً
والا لوصل خبرهم الينا غالبا
ويحتمل ان يكون بيننا
وبينهم بحار مفرقة وجبال
شاهقة وبواد بعيدة تمنع
وصول الخبر الينا غير ان احد
اربعين المغربين قد حكى
فيه قليلاً من العمارة
(ص 114 مطبوعہ 2171 لکھنؤ)

اور باقی تین چوتھائی زمین بظاہر غیر آباد
ہے کہ اگر آباد ہوتی تو غالباً ان کا حال ہم
تک پہنچتا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہمارے
اور وہاں کے باشندوں کے درمیان بڑے
سمندر، پہاڑ اور دور دراز صحرا[1] ایسے ہوں
جو ان کی خبر کو ہم تک پہنچنے میں حائل
ہوں لیکن یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک جنوبی
چوتھائی حصہ میں تھوڑی آبادی ہے۔

اگر ایک ہی شمالی چوتھائی آباد ہے تو پھر یہ مسئلہ مشتبہ رہا کہ دو شمالی ربعوں میں سے کون آباد ہے، فوقانی یا تحتانی؟ تو چونکہ ربع مسکون ہی کے مسئلہ کو مسلمان مشتبہ سمجھ گئے تھے اس لئے وہ اس کی علت بتانے میں بھی پس و پیش کرتے تھے۔ اس لئے انہوں نے صحیح طور سے یہ کہا کہ نیچے اور اوپر کی بحث اس لئے فضول ہے کہ ہر ایک دوسرے کی نسبت سے نیچے اور اوپر ہے۔ تصریح کے شارح امام الدین لاہوری نے حاشیہ کیا یہ عبارت نقل کی ہے۔

ان في تعيين هذا الربع تعسراً بل
تعذراً لانه لو قيل هذا هو الربع
الفوقاني لصدق على الآخر
(ص 55)

اس چوتھائی زمین کی تعیین مشکل ہے بلکہ
محال ہے کیونکہ اگر یہ کہا جائے کہ وہ فوقانی
ربع ہے تو یہ فوقانی ہونا تو دوسرے کا بھی
کہہ سکتے ہیں۔

اس کی شرح میں عصمت اللہ سہارنپوری نے کہا ہے

لأن كل منهما الفوقاني بالنسبة الى من عليه

کیونکہ ان میں سے ہر ایک اپنے اوپر کی نسبت سے فوقانی ہے۔

اس کے بعد تصریح کی عبارت مع ترجمہ ملا عصمت اللہ حسب ذیل ہے

والحاصل انه ليس هناك علامة يمتاز واحد منهما عن الآخر ولذلك تراهم يبهمون الكلام ويقولون المعمور احد الربعين

حاصل یہ کہ یہاں کوئی علامت ایسی نہیں ہے جس سے ایک دوسرے سے ممتاز ہو سکے اس لئے تم دیکھتے ہو کہ اہل ہیئت اس مقام پر مبہم طریقے سے بیان کر دیتے ہیں کہ آبادی دو چوتھائیوں میں سے ایک چوتھائی ہے۔

(باب ملا عصمت اللہ)

ملا عصمت اللہ اور امام الدین بعد کے لوگ ہیں لیکن انہوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ اگلوں کی نقل ہے۔

ابن خلدون مغربی المتوفی 808ھ نے مقدمہ میں ربع مسکون کے نظریہ کی تشریح کے بعد لکھا ہے:

"اور بعض لوگوں نے یہ اخذ کیا ہے کہ خط استواء اور جو اس کے پیچھے ہے آبادی سے خالی ہے، اور ان پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ مقام تو مشاہدہ اور سیاحوں کے متواتر بیانات سے ثابت ہے کہ آباد ہے تو پھر ان کا دعویٰ پر دلیل کیسے قائم ہوئی۔

(یعنی دعویٰ ہی غلط ہے)

پھر قدیم حکماء کی طرف سے یہ بات منافی ہے۔

"بظاہر حکماء کا مقصد یہ نہیں ہے کہ خط استواء کے پیچھے آبادی بالکل محال ہے' بلکہ ان کے استدلال نے ان کو یہاں تک پہنچایا ہے کہ وہاں گرمی کی شدت کے سبب سے پیدائش کا فساد قوی ہے' اور اس لئے آبادی اس میں محال ہے' یا بہت کم ممکن ہے اور وہ ویسا ہی ہے' کیونکہ خط استواء اور جو اس کے پیچھے ہے' گو اس میں آبادی جیسا کہ بیان کیا گیا ہے' مگر بہت کم ہے۔

اس مسئلے کو اس سے بہت پہلے ابن رشد المتوفی 595ھ نے پیش کیا اور کہا کہ خط استواء کے دونوں طرف جب یکساں صورت ہے تو خط استواء کے جنوب میں کیوں آبادی نہ ہو'

ابن رشد نے کہا ہے کہ خط استوا معتدل ہے' اور اس کے جنوب میں جو زمین ہے وہ ویسی ہے جیسی اس کے شمال میں ہے' تو جس طرح استوا کے شمال میں آبادی ہے' جنوب میں بھی ہو گی" (مقدمہ ابن خلدون)

ابن خلدون اسی خیال کی مزید تشریح اور جواب دیتے ہوئے کہتا ہے' لیکن یہ کہنا کہ خط استوا میں آبادی محال ہے' تو متواتر بیانات اس کی تردید کرتا ہے"

(مقدمہ ص 43 مصر)

جو بات ابن رشد نے کہی وہی حسن بن احمد ہمدانی المتوفی 945ء 334ھ نے جزیرۃ العرب میں کی ہے'

وامّا خلف خط الاستوا الی الجنوب فانّ طباعة تکون علیٰ طباع شق الشمال سواء فی جمیع احواله الا

لیکن خط استواء کے پیچھے جنوب تک اس کی طبعی کیفیت شمال کی طبعی کیفیت کے مانند ہر چیز میں ہو گی لیکن صرف اسی قدر اختلاف ہو گا' جس کو شمس نے مراد لیا ہے!

| | |
|---|---|
| قد رماذکرنافی کتاب سرائر الحکمة ما ذکرنا اختلاف حالی الشمس فی راس اوجها ونقطة حضیضها (ص5لیڈن) | میں لکھا ہے' یعنی آفتاب کے نقطہ اوج اور نقطہ حضیض میں اختلاف ہے جو اثر پیدا ہوتا ہے' |

اس کے بعد لکھا ہے کہ بحر اعظم کی موج وطغیانی کی شدت کے سبب سے اوپر جنوبی سمت (یعنی جنوبی افریقہ) میں سمندر کی طرف سے جانے کی کسی کو ہمت نہیں پڑتی۔

ہمدانی نے آفتاب کے نقطہ اوج و حضیض کا جو فرق پیدا کیا تھا' نصیر الدین طوسی المتوفی 672ھ نے اس کو کمزور ثابت کیا' اور کہا'

| | |
|---|---|
| فمن البعید ان یبلغ تاثیرھا الیٰ حد یصیر احد موضعین متساوین فی الوضع مسکونا والاخر غیر مسکون | یہ دور از قیاس ہے کہ آفتاب کی تاثیر اس حد تک پہنچ جائے کہ وہ مقام جو وضع (پوزیشن) میں یکساں ہوں ان میں سے ایک آباد ہو اور دوسرا غیر آباد ہو! |

(تقویم البلدان ابوالفداء)
(ص5پیرس)

ادھر علماء تو اس مناظرہ میں مصروف رہے کہ وہاں آبادی ہے یا نہیں یا عقلاً ہوسکتی ہے' یا نہیں' اور ادھر کم لکھے پڑھے سیاح اور جہازراں خط استواء کو پار کر کے افریقہ کی ہر سمت میں تیر گئے۔

جنوبی حصہ میں افریقہ کا جہاں تک تعلق ہے' عرب تاجر اور سیاح اس کے گوشہ گوشہ سے واقف ہو چکے تھے' جہاں جہاں موجودہ زمانہ میں اہل یورپ پہنچے' مسافران

عرب کے نشان قدم ہر جگہ پائے گئے' کئی عرب سیاح اور جہاز راں خط استوا کو پار کر کے
افریقہ کے ایک ایک کونے اور گوشے میں پہنچے اور خط استوا سے نیچے راس الرجاء الصالح (گڈ ہوپ) تک سب چھان مارا چنانچہ ابو عبید اللہ البکری کی صفۃ الافریقہ و المغرب' ابن بطوطہ کے سفرنامے کے آخری ابواب اور ابن خلدون کے مقدمے اور تاریخ میں ان کے حالات موجود ہیں' لیکن اصلی باشندوں نے توحش اور جہالت اور حیوانیت کے سبب سے ان کی طرف زیادہ توجہ نہیں کی۔

ابن خلدون جنوبی افریقہ کے بعض مقامات' جیسا گھانا' غانہ اور سلطنت مالی کا نام لے کر کہتا ہے'

"اور آج کے زمانہ میں یہ پوری سرزمین سوڈانی قوم کی مملکت میں شامل ہے' اور ان کے ملک تک مراکش کے سوداگر جاتے ہیں' ............ اور ان کے پیچھے جنوب میں کوئی قابل ذکر آبادی نہیں' ہاں کچھ آدم صورت انسان ہیں' جو انسانوں کے مقابلہ میں جانوروں سے زیادہ قریب ہیں' وہ صحراؤں اور غاروں میں رہتے ہیں' اور گھاس اور غلہ بن پکائے کھاتے ہیں' اور ان میں ایک دوسرے کو کھا جاتے ہیں' وہ انسانوں کے شمار میں نہیں۔ (مقدمہ ص 54 مصر)

مشرقی افریقہ تو عربوں کا وطن ہو گیا' زنجبار پر وہ قابض تھے اور سواحل میں مڈگاسکر (قمبلو) کے مقامات تک ان کا جزیرہ گزرگاہ تھا' مغربی افریقہ کا گنا (غانا) میں ان کی نو آبادی تھی' شمالی افریقہ تو ان کی عظیم الشان سلطنتوں کا مرکز ہے' اور آج تک وہ اس پر قابض ہیں' اور جنوبی افریقہ کے حیوان نما انسانوں کا حال ابھی پڑھ چکے' لیکن انہوں نے محنت کر کے ان میں سے اکثر جانوروں کو انسان بنایا' اور کچھ کو ان کے جانشین اہل فرنگ نے بعد کو انسان بنایا اور باقی آج بھی جانور ہیں' الغرض

"افریقہ کی ہر سمت میں عرب تاجر اور نو آباد پھیل گئے تھے' میلانگو' انزولو' تکرر

دریا (النگر) میں وہ آباد تھے' اور ان کے قدیم آثار موجود ہیں' 1903ء میں روڈیشیا شمالی ٹرنسوال میں ایک عرب کی قبر ملی ہے جس میں مرنے والے کا نام سلام اور تاریخ وفات 95ھ 714ء کھدی ہے' اسی طرح اہل جرمنی نے چند سال ہوئے مشرقی افریقہ کے اندرونی علاقہ میں قدیم شہر توکا موسی وانگا کے قریب قدیم عربی کتابے پائے جن کو وہ برلن عجائب خانہ لے گئے'

"پرتگالیوں کی تاریخ میں ہے کہ جب انکے جہازات جنوبی مشرقی سواحلی افریقہ گنڈ هوپ' اور نتال کے درمیان سفر کر رہے تھے' تو انہوں نے عربوں کو پایا' جن کے جہازات سے ساحل بھرا ہوا تھا' اور کفر دریا کے ملک سے بہت سا سونا اپنے جہازوں میں لاد چکے تھے' تاکہ وہ اپنے ملکوں کو لے جائیں (۱)

مغربی افریقہ میں نائجیریا کا وسیع خطہ عربوں کی نوآبادیوں کا مرکز تھا اور یہاں پر خصوصیت کے ساتھ ہم کو مغربی افریقہ کے ایک گوشہ سے جس کو عرب غانہ اور اہل یورپ گانا (guinea) کہتے ہیں بحث ہے' اور جو قدیم زمانہ سے سونے کی سرزمین ہے' (غانہ) اہل عرب اس سونے کی سرزمین تک بہت پہلے پہنچ چکے تھے'' عربی جغرافیوں میں اس کا نام بار بار آیا ہے' اور عجیب بات یہ ہے کہ ہر قوم میں اس ملک کا نام ہی سونا ہو گیا ہے' عربی میں خالص سونے کو تبر کہتے ہیں گنی تبر اس کا عربوں میں نام ہے' چنانچہ یاقوت نے معجم البلدان میں غانہ کا حال غانہ سے زیادہ تبر میں لکھا ہے' یہ گانا یورپ میں جا کر گنی کی صورت میں سونے کی اشرفی بن گئی'

گانا خط استواء کے جنوب میں مغربی افریقہ کے اس ساحل پر واقع ہے' جہاں سے جنوبی امریکہ اور پرانی دنیا کا ایک طرح سے محاذ پڑتا ہے' اس لیے اس موقع پر اس کی خاص اہمیت ہے'

---

(۱) یہ دونوں اقتباس المقتطف مصر اگست 1915ء کے مضمون الرحلات الی افریقیا القدیمہ سے ماخوذ ہیں۔

اہل عرب کا سنا کب پہنچے اس کی صحیح تاریخ معلوم نہیں' لیکن قیاس کیا جاتا ہے کہ دوسری صدی میں مصر اور نوبہ اور بجہ وغیرہ افریقی قبیلے یہاں کے سونے کا خراج مصر میں ادا کرتے تھے اور وہاں مسلمان عمال اور مزدور آباد ہو چکے تھے (۱) پانچویں صدی ہجری کے اندلسی جغرافیہ نویس ابو عبید عبداللہ البکری المتوفی 487ھ 1097ء نے کتاب المسالک والممالک کے حصہ کتاب المغرب فی ذکر بلاد افریقیہ والمغرب میں گھانا' وہاں کے قبائل کا' ان کے بادشاہ کا' اور اس کی سلطنت کا پورا حال لکھا ہے' اور وہاں کے مسلمانوں کی سکونت اور آمدورفت کی اطلاع دی ہے' یہ حالات مصنف نے 460ھ میں لکھے ہیں' شہر غانہ کے دو حصے تھے' ایک میں مسلمان رہتے تھے' جس میں بارہ مسجدیں تھیں' ایک جامع مسجد تھی۔ ان مسجدوں میں امام و موذن اور علماء سکونت پذیر تھے' دوسرے میں بادشاہ اور اس کے ارباب حکومت رہتے تھے' بادشاہی عدالت کے پاس بھی ایک مسجد بنی تھی' جس میں وہ لوگ فریضہ نماز ادا کرتے تھے' جو بادشاہ کے پاس آتے تھے' ملک کے دوسرے حصے میں بھی مسلمانوں کی آبادیاں تھیں' بادشاہ اور اس کے قبیلے کے لوگ اس وقت تک بت پرست تھے' لیکن مسلمانوں کی پوری عزت کرتے تھے' لیکن اسی زمانہ میں بادشاہ نے ایک مسلمان کی تبلیغ سے اسلام قبول کر لیا' وہاں ایک ایسی عرب قوم بھی آباد تھی' جو بنو امیہ کے زمانہ میں فوج کی حیثیت سے آئی تھی' اور یہیں رہ پڑی' بعد کو وہ اپنا نسب بھی بھول گئی (۲)

اس بیان سے معلوم ہوا کہ عرب یہاں بنو امیہ ہی کے زمانہ میں یعنی پہلی صدی ہجری کے آخر یا دوسری صدی ہجری کے شروع میں پہنچ چکے تھے'

چھٹی صدی ہجری میں غرناطہ کے ابو حامد اندلسی المتوفی 595ھ نے جو اسپین سے لے کر چین تک سیاحت کر چکا تھا' اور بغداد میں اقامت گزیں ہو گیا تھا' تحفۃ الالباب کے نام سے جغرافیہ اور عجائب عالم پر ایک کتاب لکھی ہے اس میں وہ غانہ کے متعلق لکھتا ہے۔

---

(۱) طبری واقعات 235ھ (۲) کتاب المغرب فی ذکر افریقیہ وبلاد المغرب صفحات ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۸، ۱۷۴

مطبوعہ الجزائر ۱۹۱۱ء

وبلاد هم مما يلي المغرب الاعلىٰ المتصل بطنجة ممتدا علىٰ بحر الظلمات (۱)

ان کا ملک مراکش کے اس حصہ سے جو طنجہ سے ملا ہے اور بحر ظلمات (اٹلانٹک) کے سواحل پر پھیلا ہے متصل ہے

ابو حامد کا یہ بیان بہت مبہم ہے' مراکش شمال میں ہے' اور غانا اس کے جنوب میں اور دونوں کے بیچ میں صحرائے افریقہ ہے' لیکن اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس سے واقف تھا' بہر حال اس کے زمانہ میں ان اطراف کے پانچ قبیلے مسلمان ہو چکے تھے' جن میں ایک غانا کا قبیلہ تھا۔

ان کے بادشاہوں میں سے پانچ قبیلے جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے' مسلمان ہو گئے ان میں سے قریب تر غانا ہے' جس کی ریگ میں خالص سونا پیدا ہوتا ہے' اور ان کے یہاں سونا بہت ہے"

(ص 41 و ص 42 جبر ی)

اس کے بعد ادریسی مراکشی المتوفی 560ھ نے سسلی میں بیٹھ کر شاہ سسلی کے حکم سے جغرافیہ کی مشہور کتاب نزہۃ المشتاق فی اختراق الآفاق لکھی' اس میں غانا کے حال میں جیسا کہ ابن خلدون نے نقل کیا ہے' لکھا ہے" کہ غانا میں علوی سادات کی سلطنت ہے۔

کتی میں جیسا کہ کہا گیا ہے' بنی صالح نام علویوں کی سلطنت اور حکومت ہے زجاری کی کتاب کے مصنف (ادریسی) نے کہا ہے" کہ اس کے بانی کا نام صالح بن عبداللہ بن حسن بن حسین ہے۔

---

(۱) تحفۃ الالباب صفحات ۴۲٬۴۱ جبر یا'

ابن خلدون کہتا ہے کہ عبداللہ بن حسن کی اولاد میں صالح نام کوئی شخص معروف نہیں ہے بہر حال ابن خلدون المتوفی 808ھ کے زمانہ میں غانہ کا ملک سلطان مالی کے زیر حکومت تھا(۱)

مشہور سیاح ابن بطوطہ جو اسی زمانہ میں تھا' وہ اسی سلطان کے زمانہ میں غانہ پہنچا تھا اس سلطان اور اس کی مملکت اور قوم کے حالات اس نے اپنے سفرنامہ کے خاتمہ میں بیان کئے ہیں' یہ لوگ دیندار مسلمان تھے اور عربی زبان افریقہ کے دوسرے حصوں کی طرح یہاں بھی سرکاری و مذہبی دونوں حیثیتوں سے رواج پذیر تھی' یہیں سے ابن بطوطہ سلطان مراکش کی دعوت پر تمام دنیا کا چکر لگا کر اپنے ملک میں واپس گیا ہے(۲)

ابو عبید بکری اندلسی ابو حامد غرناطی' یاقوت رومی جغرافیہ کے ان تینوں مصنفوں کی کتابوں میں زمانہ میں سونے کی بڑی بڑی داستانیں ہیں کہ کس طرح عرب تاجر مراکش اور مغرب سے اونٹوں پر لاد کر نمک اور دوسرے معمولی سامان لے جاتے ہیں اور وہاں سے سونا بھر کر واپس لاتے ہیں' اس داستان کو یہاں زیادہ طول دینے کی ضرورت نہیں مگر اس کو یاد رکھنا چاہیے کہ آخری نتیجہ میں یہ بات کام آئے گی۔

## شمالی روس اور بحر بیرنگ

جنوب سے اب شمال کا رخ کیجئے' عرب چوتھی صدی کے شروع میں خلیفہ مقتدر باللہ کی خلافت میں انتہائی شمالی روس تک پہنچ چکے تھے' جہاں رات صرف چار گھنٹوں کی ہوتی تھی' وہاں کا بادشاہ مسلمان ہو گیا تھا اور خلیفہ سے خواہش کی تھی کہ اس کی اور اس کی قوم کی تعلیم کے لئے کچھ لوگ بھیجے جائیں' خلیفہ نے ابن فضلان کی سرکردگی میں ایک وفد وہاں روانہ کیا' وہ آذربائجان ہو کر نہر اتل یعنی والگا طے کر کے

(۱) مقدمہ ابن خلدون ص 48 مصر و کراچی جلد (۲) سفرنامہ ابن بطوطہ آخری باب'

انتہائی شمالی روس کے قدیم شہر بلغار میں پہنچا اور کچھ روز رہ کر وہاں سے واپس آیا' اس پورے سفر کی روداد اس وقت بھی مختصر طور سے معجم البلدان کے الفاظ بلغار اور روس میں درج ہے' آٹھویں صدی میں ابن بطوطہ شمالی روس کے اس سرے پر پہنچا تھا' جس کے آگے شمالی قطب کی برف پوش زمین تھی' اور جہاں بقول ابن بطوطہ برف پر چلنے کے لئے کتوں کی گاڑیوں کی ضرورت تھی' اور یہ کتے بہت بیش قیمت تھے اس وجہ سے ابن بطوطہ آگے نہ بڑھا (۱) یہ وہی سواری ہے' جس سے آج کل کے بہادر بھی قطب شمالی کی سرزمین کو طے کرتے ہیں۔'

روس کے انتہائی شمال پر دریائے بیرنگ ہے' اس کا ذکر بیرونی نصیر الدین طوسی اور قطب الدین شیرازی نے کیا ہے' اور اس کا صحیح موقع بتایا ہے بیرنگ ایشیاء کی طرف آکر بحر الکاہل میں مل جاتا ہے' اور شمال کی طرف اسی آبنائے بیرنگ کی پتلی سی لکیر شمالی امریکہ (کناڈا) اور پرانی دنیا کے بیچ میں حائل ہے' مسلمانوں کا علمی قدم اس سمت سے اس پتلی لکیر تک آکر رک گیا تھا' جہاں سے شمالی امریکہ تجدید بر فستان کے پردہ میں چند قدم پردہ گیا تھا (۲)

## انتہائی آبادی

مسلمانوں میں علم ہیئت اور ریاضی وجغرافیہ کا علم زیادہ تر یونان سے آیا تھا' مخصوصا بطلیموس کی کتاب الجغرافیہ اور مجسطی پر انہوں نے اپنی معلومات کی بنیاد کھڑی کی بطلیموس نے خط استواء کو جو افریقہ سے گذرتا تھا خشکی میں انتہائی آبادی قرار دیا' کیونکہ اس کے خیال میں گرمی کی شدت کی وجہ سے انسانی آبادی اس کے بعد ممکن نہیں تھی' اور اسی طرح طول میں انتہائی آبادی افریقہ کے پار بحر محیط کے چند جزائر کو قرار دیا تھا' جن کو اہل عرب "جزائر خالدات" کہتے ہیں' جس کا صحیح ترجمہ "جزائر سعید" یا مبارکہ

(۱) سفر نامہ ابن بطوطہ (۲) تقویم البلدان ابو الفداء ص ۵ ۲ و تذکرہ نصیر طوسی' تفصیل کیلئے دیکھو میری کتاب عربوں کی جہازرانی ص ۱۱۳' ۱۱۶

ہے' جس کو بعض عرب اہل جغرافیہ اور اہل ہیئت نے اختیار کیا ہے' اور جو اصل میں لاطینی لفظ Fortunate کا معرب ہے' اسی یونانی لفظ کو البکری نے اپنے جغرافیہ میں قرطناتس کے نام سے لکھا ہے' اس سے مقصود جزائر کناری (Canarie) ہیں'

عام طور سے مشرقی اہل ہیئت و جغرافیہ ان کو مفقود اور پانی میں غرق سمجھتے ہیں' مگر مغربی جغرافیہ نویس اس سے پوری طرح واقف تھے' ابو عبید عبداللہ بن عبدالعزیز البکری اندلسی المتوفی 1097ء 487ھ لکھتا ہے'

"اور بحر محیط میں طنجہ کے مقابل اور کوہ اذلنت کے سامنے وہ جزیرے ہیں جن کا نام قرطناتس یعنی ہمیشہ سرسبز رہنے والے (سعیدہ) جزائر سعادات (خالدات) ہیں ان کا یہ نام اس لئے پڑا کہ ان کی پہاڑیاں قسم قسم کے میووں اور خوشبودار پھولوں سے معمور ہیں' یہ میوے اور پھول لگائے بغیر خود بخود اگتے ہیں' ان کی زمینیں گھاس کے بجائے معطر پھولوں سے آباد ہیں اور وہ بلاد بربر کے مغرب میں دریائے مذکور میں متفرق طور پر واقع ہیں (۱)

دوسری طرف انتہائی آبادی جزیرہ ثولی کو بتاتے ہیں' جس کو برطانیہ کے اطراف میں اب عام طور پر آئس لینڈ کہا جاتا ہے۔

## زمین گول ہے اور جذب و کشش سے قائم ہے

اس مسئلہ سے بھی اہل عرب واقف تھے کہ زمین گول ہے اور جذب و کشش کے اصول پر قائم ہے' کسی بیل کے سینگ یا ستون یا پہاڑ کی پشت پر یہ گیند رکھا ہوا نہیں ہے' ابن خرداذبہ المتوفی 300ھ کہتا ہے۔

زمین کی شکل گول ہے جیسے گیند جو فضائے آسمانی میں اس طرح رکھا ہوا ہے' جیسے

---

(۱) المغرب فی ذکر بلاد افریقیہ للبکری ص ۱۰۶ الجزائر'

انڈے کے اندر زردی' اور ہلکی ہوا" (نسیم) زمین کے چاروں طرف ہے' اور وہ چاروں طرف سے کشش کر رہی ہے' آسمان تک اسی طرح مخلوقات کے اجسام زمین پر ہیں کہ وہی نسیم ان کے بدنوں پر جو ہلکا پن ہے اس کو کشش کرتی ہے' اور زمین اس کے ثقل کو کھینچتی ہے کیونکہ زمین مثل اس پتھر کے ہے' جس کو لوہا کھینچتا ہے" (یعنی مقناطیس)(1)؛

اس عبارت میں زمین کی گولائی اور جذب و کشش کے علاوہ جس حقیقت کو نسیم جیسی ہلکی پھلکی ہوا سے ادا کیا گیا ہے' آج آپ اس کو بے تکلف "ایتھر" کہتے ہیں' نویں صدی کے آخر کا عرب جہاز راں ابن ماجد مقناطیس کے بیان میں کہتا ہے۔

| | |
|---|---|
| وقيل إنّ السّبع السّمٰوٰت و الارض معلقات بمقناطيس القدرة | اور کہا گیا ہے کہ ساتوں آسمان اور زمین قدرت کے مقناطیس سے معلق ہے |

جذب و کشش کے مسئلہ کو اہل جغرافیہ کے علاوہ دوسرے حکمائے اسلام نے بھی بیان کیا ہے' مگر اس وقت ہمیں اس سے بحث نہیں'

زمین کو گول تو تمام حکمائے اسلام نے تسلیم کیا' مگر مجھے اس دعوی پر وہ استدلال پیش کرنا ہے' جو اہل جغرافیہ کے قلم سے نکلا ہے'

ابن رستہ 277ھ تیسری صدی ہجری میں تھا' وہ زمین کے گول ہونے پر ستاروں کے طلوع و غروب اور ظہور و خفا سے اس طرح محققانہ بحث کرتا ہے"۔

"تمام اہل علم نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ زمین اپنے تمام اجزاء کے ساتھ خشکی و تری کی گیند کی طرح ہے' اور دلیل یہ ہے کہ سورج چاند اور کل ستاروں کا طلوع و غروب زمین کے تمام کناروں میں ایک وقت نہیں ہوتا' بلکہ مشرقی مقامات میں ان کا

(1) کتاب المسالک والممالک ص ۴۳ لیڈن

طلوع 'مغربی مقامات سے پہلے ہوتا ہے' اور ان کا غروب مشرقی مقامات پر مغربی مقامات سے پہلے ہوتا ہے اور یہ حوادث فلکی سے ظاہر ہے جو آسمان میں ہوتے ہیں' تو ایک ہی حادثہ زمین کے تمام اطراف میں مختلف مقامات میں ہوتا ہے' جیسے چندر گرہن کہ اگر ایسے دو مختلف شہروں میں ان کو رصد کیا جائے' جو ایک مشرق میں ہو اور دوسرا مغرب میں' تو مثلا اگر مشرقی چندر گرہن کا وقت رات کے تیسرے گھنٹہ میں ہو تو..................(لیں رستہ ص 12)

زمین کی گولائی پر آج کل جہازوں کے اول مستول پھر آہستہ آہستہ بڑھتے بڑھتے پورا جہاز نظر آنے سے جو استدلال کیا جاتا ہے' اس سے بھی وہ واقف تھے' مسعودی لکھتا ہے۔

"اور جہاز جب سمندر کے بیچ میں ہوگا تو دنباوند کے پہاڑ غائب ہو جائیں گے' اور نظر نہیں آئیں گے اور جب دریا میں سو فرسخ کے قریب رہ جائے گا تو ذرہ سا پہاڑ کا سرا نظر آئے گا' اور جیسے جیسے ساحل کے نزدیک ہوتے جائیں گے' پہاڑ بڑا ہوتا جائیگا اور یہ اس بات پر دلیل ہے کہ سمندر کا پانی گول شکل پر ہے' اور یہی بحر روم میں حال ہے' یہ شام کے پہاڑ جو انطاکیہ اور لاذقیہ اور طرابلس اور جزیرہ سایپرس کے ساحل پر ہیں کہ جہاز میں نگاہوں سے پوشیدہ رہتے ہیں اور ساحل کے قریب آتے ہوئے آہستہ آہستہ نظر آتے ہیں۔"

(مروج الذہب جلد 1 ص 195 پیرس)

ابوبکر ابن فقیہ ہمدانی 290ھ اپنے جغرافیہ کتاب البلدان میں لکھتا ہے'

"کہتے ہیں کہ سمندر بھی گول ہے' اور دلیل اس کی یہ ہے کہ جب تم ساحل سے بیچ سمندر میں چلے جاؤ' تو ساحل کے پہاڑ اور درخت آہستہ آہستہ تمہاری نظر سے غائب ہونے لگیں گے' پھر جب تم بیچ سمندر سے ساحل کی طرف آؤ' تو وہ آہستہ آہستہ پھر

دکھائی دینے لگیں گے۔

(ص 153۔ لیڈن)

یہ دلیل بعینہ وہی ہے جو آج بھی زمین کی گولائی پر عام طور سے پیش کی جاتی ہے'

## زمین کے فوقانی اور تحتانی حصے اور رات اور دن

ہر چند کہ یہ مسئلہ عربی علم ہیئت میں آفتاب کے دور اور حرکت کے سلسلہ میں عام طور سے مذکور ہے لیکن زمین کے تحتانی اور فوقانی حصوں کی تخصیص کے ساتھ ذکر کرنے میں بے توجہی کی گئی ہے' لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ مسلمان اس مسئلہ ہی سے واقف نہ تھے' تیسری صدی ہجری کا مصنف ابن رستہ اپنی کتاب الاعلاق النفیسہ کے مقدمہ میں شب و روز کے چوبیس گھنٹوں اور جاڑا گرمی میں روز و شب کے گھٹنے اور بڑھنے کا ذکر کر کے لکھتا ہے۔

لان نصف الارض ابداً نہار مضیئ ونصفھا لیل مظلم یدوران علیھا'

کیونکہ نصف زمین میں ہمیشہ دن رہتا ہے' اور دوسرے نصف میں اندھیری رات اور یہ شب و روز اس زمین پر گردش میں ہیں۔

(ص 9 لیڈن)

چوتھی صدی کے آغاز کا مصنف مسعودی مروج الذہب میں اس کی تشریح ان الفاظ میں کرتا ہے'۔

" زمین کی آبادی کا آغاز جزائر خالدات سے شمار کرتے ہیں' جو مغربی بحر اوقیانوس میں واقع ہیں' یہ چھ آباد جزیرے ہیں' اور آبادی کی انتہاء چین کی انتہائی آبادی پر ہے' ان دونوں کے درمیان 12 گھنٹوں کی مسافت ہے' اس سے معلوم ہوا کہ آفتاب جب چین کے انتہائی حصہ میں ڈوبے گا تو ان جزیروں میں جن کا ذکر ابھی ہوا' اور جو مغربی بحر اوقیانوس میں واقع ہیں' دن ہوگا اور جب ان جزیروں میں رات ہو

وانّ النّاس نزلوا في
النّصف الشمالي بين القبة
وبنات النّعش وذالك
مقسوم على سبعة اقاليم و
باقي ذالك غير مسكون
وينزل في النصف الجنوبي
مَن شاء الله من الخلق
(الاعلاق النفیسہ ابن رستہ ص 9
لیڈن)

اور آدمی نصف شمالی میں آباد ہیں قبہ اور
بنات النعش کے بیچ میں' اور وہ سات
اقلیموں پر منقسم ہے اور باقی حصہ غیر
آباد ہے' اور نصف جنوبی میں جس کو
خدا چاہے اپنی مخلوقات سے آباد
کرے۔

ابن رستہ ربع شمالی کے بجائے نصف شمالی کی آبادی کا قائل ہے' اور جنوب کی
نسبت مشتبہ ہو کر کہتا ہے "وہاں اپنی خلق میں سے جس کو چاہے بسائے"' یہ پیشگوئی
انکشاف امریکہ سے پوری ہوئی'

بیرونی' نصیر طوسی' قطب الدین شیرازی اور ان کے تلامذہ کے سوال
وجواب اور رد واعتراض سے لوگوں میں یہاں تک جرات ہوئی کہ طوالع الانظار کے
مشہور مصنف اور ابن فضل اللہ العمری (مسالک الابصار فی ممالک الامصار کے مصنف)
کے استاد ابو الثناء محمود بن ابی القاسم اصفہانی المتوفی 1347ء749ھ نے اس نظریہ
کے پیش کرنے کی جرات کی۔

لا امتنع ان یکون ما انکشف

میں اس کو ممکن سمجھتا ہوں کہ ہماری طرف

عنه الماء من الارض من جهتنا منكشفاً من الجهة الأخرى ولا امنع ان يكون به من الحيوان والنبات والمعادن مثل ما عندنا أو من انواع او اجناس أخرى

(مسالک الابصار جلد ا ص 31)

زمین کا جو حصہ کھلا ہے، وہ دوسری طرف سے بھی کھلا ہو، اور اس کو بھی ممکن سمجھتا ہوں کہ اس میں بھی ویسی ہی حیوان، نباتات اور معدنیات ہوں جیسے ہمارے حصہ میں ہیں، یا دوسرے قسم کے ہوں

اس سے زیادہ تصریح اور کیا ہو گی اسی لئے شاید ابن فضل اللہ نے ربع کے بجائے نصف ارض کو مکشوف قرار دیا

والبحر محيط بنصف الارض احاطة متصلة دائرة به كالمنطقة لايظهر منها الانصفها وهو مادارت عليه الشمس في قوس النهار مثل بيضة مغرقة في ماء انكشف منها ما انكشف انغمر ما انغمر"

(مسالک الابصار ص 30 جلد 1)

اور پانی نصف زمین کو چاروں طرف سے کمربند کی طرح گھیرے ہوئے ہے، زمین کا آدھا ہی حصہ کھلا ہے اور یہی وہ ہے، جس پر آفتاب دائرۃ النہار میں پھرتا ہے اس کی مثال اس انڈے کی ہے جو پانی میں ڈوبا ہو، جو اس سے کھل جاتا ہے جو کھل جاتا ہے اور ڈوب جاتا ہے جو ڈوب جاتا ہے۔

لیکن اس سلسلہ میں صحیح بات وہ ہے، جو بیرونی نے اس سے تین سو برس

پیشتر کی تھی مگر اس قسم کے امور استدلال نہیں بلکہ مشاہدہ پر مبنی ہیں۔

جعلوا العمارة في احد الربعين الشماليين لا ان ذالك موجب امر طبعي فمزاج الهواء واحد لا يتباين ولكن امثاله من المعارف موكول الى الخبر من جانب الثقة فكان الربع دون النصف هو ظاهر الامر والا ولى بان يوخذ به الى ان يرد خبره خبر طارى ۔

(تقویم البلدان ابو الفداء ص ۱۱)

اس فن کے عالموں نے دو شمالی ربعوں میں سے ایک ربع کو آباد مانا ہے، اس لئے نہیں کہ اس کا کوئی طبعی سبب ہے کیونکہ زمین کے ہر طرف ہوا کا مزاج یکساں ہے لیکن بات یہ ہے کہ اس قسم کے معلومات کسی ثقہ کی خبر اور اطلاع پر مبنی ہوتی ہیں، اس لئے آباد حصہ چوتھائی ماننا بظاہر درست ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ اس نظریہ کو اس وقت تک مانا جائے، جب تک کسی نئی اطلاع سے اس کی تردید نہ ہو جائے۔

ان علماء کو اپنے استدلال و جواب و سوال میں مصروف رہنے دیجئے، اور آیئے دوسری طرف ان باہمت جہازرانوں کی کوششوں پر ایک نگاہ ڈالیں، جو اپنی جانوں کو خطرہ میں ڈال کر بحر ظلمات کی شناوری میں مصروف ہیں۔

## ماورائے بحر ظلمات

عرب کے بے آب ریگستان سے اسلامی فتوحات کا جو سیلاب چھٹی صدی عیسوی کے آخر میں اٹھا تھا، ساتویں صدی عیسوی کے وسط میں افریقہ و مغرب اقصیٰ اور اندلس کے صحراؤں اور میدانوں سے گذر کر بحر ظلمات کے ساحل پر آ کر رکا مگر

بلند ہمت عرب کشور کشاؤں کی ہمت اب بھی اس فطری روک کے پاس آکر کم نہ ہوتی' مغرب اقصیٰ کے فاتح عقبہ نے بحر ظلمات کے پانی میں گھوڑا کھڑا کر کے کہا کہ۔

"خداوندا! اگر مجھے معلوم ہوتا کہ اس کے بعد بھی تیرا کوئی ملک ہے تو میں ذوالقرنین کی طرح وہاں بھی تیری توحید کی دعوت لے کر جاتا!!

(المونس فی اخبار تونس ص 28)

اندلس کا فاتح طارق فتح کرتا ہوا آگے بڑھتا جاتا ہے' اس کا آقا موسیٰ اس کو روکتا ہے وہ جواب دیتا ہے کہ جب تک بحر محیط کی دیوار ہمارے قدم نہ روک لے گی ہم آگے بڑھتے جائیں گے (۱)

ماوراے بحر ظلمات جزیرہ کا تخیل عربوں اور مغربی و افریقی مسلمانوں میں ذوالقرنین کے قصہ کے سلسلہ میں پیدا ہوا' یہ کہانی اتنی پھیلی کہ علم ہیئت کی کتابوں تک میں درج ہے' کہتے ہیں کہ ذوالقرنین نے ملک مغرب میں پہنچ کر اپنا جہاز بحر ظلمات کی تحقیق حال کے لئے روانہ کیا' وہ اس پار سے ایک جہاز کو گرفتار کر کے لے آیا' جس پر ماوراے بحر ظلمات کے کچھ باشندے سوار تھے' ذوالقرنین نے ان سے ان کے ملک کا حال دریافت کیا' رصد گاہ مراغہ کا عالم ہیئت شارح چغمینی اس قصہ کی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے'

"یہ ہو سکتا ہے کہ ہمارے اور ان کے درمیان میں بڑے بڑے دریا اور اونچے اونچے پہاڑ اور صحاری حائل ہوں' جو ان کی خبر ہم تک نہیں آنے دیتے' ہاں دو جنوبی ربعوں میں سے ایک میں کچھ آبادی بیان کی جاتی ہے' اور وہ جو ذوالقرنین کے زمانہ کا قصہ بیان کیا جاتا ہے' وہ بظاہر بے اصل معلوم ہوتا ہے'

(مقالات عجائب فی بیان الارض)

---

(۱) نفح الطیب ج ۱ ص ۱۱۳ مصر'

لیکن اس قسم کی کاوشوں کی تعداد روز بروز بڑھنے لگی' چنانچہ اسپین و افریقہ کے سواحل میں مغرورین اور مغررین (فریب خوردہ) کے نام سے ایک جماعت ہی قائم ہو گئی' جو اپنے کو مصیبتوں میں ڈال کر اس بحر محیط کے سفر کے لئے روانہ ہوتی تھی' پھر وہ اس میں فنا ہو جاتی تھی' یا کامیاب واپس آتی تھی۔

تیسری صدی کے آخر اور چوتھی صدی ہجری کے شروع (نویں صدی عیسوی کے آخر اور دسویں صدی عیسوی کے شروع) میں مسعودی اپنی مروج الذہب میں اس قسم کے واقعات کے لئے اپنی دوسری تصانیف کا حوالہ دیتا ہے۔

وَقَدْ اَتَیْنَا علی ذکرها فی
کتابنا فی اخبار الزّمان وفی
اخبار من غرر وخاطر بنفسه
ومَنْ نجا مِنْهُمْ ومن تلف
ومن شاهده منه وما رأوا

اور ہم نے اپنی کتاب اخبار الزمان میں
اور ان لوگوں کے حالات میں ان واقعات
کو بیان کیا ہے' جنہوں نے اپنے آپ کو
فریب دیا اور اپنے آپ کو جان جوکھوں
میں ڈالا' اور ان سے جو بچا اور جو ہلاک ہوا'
اور انہوں نے جو دیکھا اور مشاہدہ کیا۔

اس کے بعد کہتا ہے'

واذا منهم رجل مِنْ اهل
الاندلس یقال لهٗ خشخاش
وکان من فتیان قرطبة واحداثهم
فجمع جماعة من احداثها
ورکب بهم مراکب

اور ان میں اندلس کے رہنے والوں میں
سے ایک شخص تھا جس کو خشخاش کہہ کر
پکارا جاتا تھا' وہ قرطبہ کے نوجوانوں میں
سے تھا اس نے قرطبہ کے نوجوانوں کی
ایک جماعت بنائی' اور ان کو لے کر ان
کشتیوں پر سوار ہوا' جن کو اس نے تیار کیا

استعملها فی هذا البحر المحیط فغاب فیه مدة ثم انثنی بغنائم واسعة وخبره مشهور عند اهل الاندلس

(ج ۱ ص 156 - بیروت)

میں اس غرض کے لئے تیار کیا تھا اور ایک زمانہ تک غائب رہا پھر بہت سا مال غنیمت لے کر لوٹا اس کا واقعہ اندلس والوں میں بہت مشہور ہے۔

ادریسی المتوفی 560ھ نزہۃ المشتاق میں اندلس کے جغرافیہ میں تحت موضوع بر من مغرورین یعنی فریب خوردہ جہاز رانوں کا ذکر کیا (۱) ہے یہ بھی لکھا ہے کہ امیر المسلمین علی بن یوسف بن تاشفین کے امیر البحر احمد بن عمر معروف بہ رقم الاوز (نقش بط) نے بحر ظلمات کے ایک جزیرہ پر فوج کشی کی تھی مگر کامیابی سے پہلے ہی وہ مر گیا۔

ادریسی ایک موقع پر بحر ظلمات کے ذکر میں لکھتا ہے:

"اس بحر ظلمات کے پیچھے جو کچھ ہے اس کو کوئی نہیں جانتا اور نہ کسی آدمی کو صحیح واقفیت ہے کیونکہ اس کو عبور کرنا سخت مشکل ہے۔ اس کی فضا میں بڑی تاریکی اور اس کی موجیں نہایت سخت اور اس کے خطرات بہت اور اس کے جانور خطرناک اور اس کی ہوائیں ہیجان انگیز ہیں۔ اس میں بہت سے جزیرے ہیں کچھ آباد کچھ سمندر کے اندر اور کوئی جہاز راں اس کو عرض میں قطع نہیں کرتا اور نہ اس میں گھستا ہے البتہ اس کے ساحل کے طول کے کنارے کنارے اس سے لگ کر چلتا ہے (۲)

اب بحر ظلمات میں یہ کون سے جزیرے ہیں؟ کیا امریکن جزائر ویسٹ انڈیز نیوفاؤنڈ لینڈ گرین لینڈ وغیرہ ہو سکتے ہیں۔

---

(۱) نزہۃ المشتاق ص 55-165-184 (۲) ایضاً صفحہ 165

اشبونہ (لسبن ساحل پرتگال) کے ذکر میں ادریسی ان "فریب خوردہ جہاز رانوں کا ایک دلچسپ قصہ سناتا ہے" کہتا ہے:

اور اسی شہر لسبن میں فریب خوردہ لوگ اس لئے بحر ظلمات میں سوار ہوئے تھے، تاکہ پتہ لگائیں کہ اس میں کیا ہے، اور کہاں جاکر ختم ہوتا ہے، شہر لسبن میں ایک پھاٹک یا گلی (درب) ہے جس کا نام فریب کھانے والوں کا درب ہے، اور ان کا قصہ یہ ہے کہ آٹھ آدمیوں نے جو آپس میں سب چچا کے بیٹے تھے، باربرداری کا ایک جہاز بنایا اور اس میں پانی اور توشہ اتنا رکھ لیا، جو مہینوں کے لئے کافی تھا، پھر اس جہاز میں سوار ہو کر ایک مناسب موسم میں روانہ ہوئے گیارہ دن کے بعد ایک ایسے پانی میں پہنچے جو سخت موجوں والا تھا، وہاں کی ہوائیں مکدر تھیں، روشنی ماند تھی، انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ اب ہلاکت قریب ہے، تو اپنے بادبانوں کو دوسرے ہاتھ کی طرف پلٹ دیا، اور سمندر میں جنوب کی طرف چلتے رہے، اور بکریوں والے ایک جزیرہ میں پہنچ گئے، وہاں بے شمار بکریاں تھیں جن کو کوئی پکڑنے والا یا چرانے والا نہ تھا، وہ جزیرے میں اترے، وہاں چشمہ ملا، اور جنگلی انجیر، انہوں نے ان بکریوں میں سے کچھ کو ذبح کیا تو ان کا گوشت بہت ہی کڑوا نکلا جس کو وہ نہ کھا سکے اور ان کی کھالیں لے لیں، اور جنوب کی سمت میں 12 دن وہ اور چلے، اور ان کو ایک جزیرہ ملا، جہاں آبادی اور کھیتی تھی، تو وہ اس جزیرہ کو دیکھنے چلے، ابھی کچھ ہی دور چلے تھے، کہ چھوٹی چھوٹی کشتیوں نے ان کو گھیر لیا، اور ان کو پکڑ کر جہاز ایک ساحلی شہر کی طرف لے گئے، وہاں ایک گھر میں جا کر اتارا، وہاں سرخ رنگ (اشقر) کم لیکن سیدھے بال والے لمبے قد کے آدمی دیکھے ان کی عورتوں میں عجیب خوبصورتی تھی تو وہ لوگ تین دن ایک گھر میں قید رہے، چوتھے دن ان کے پاس ایک آدمی آیا، جو عربی میں باتیں کرتا تھا، اس نے ان کا حال دریافت کیا، اور پوچھا کیوں آئے اور کہاں سے آئے، اور تمہارا وطن کہاں ہے، انہوں نے اپنا پورا حال بتایا، اس نے ان

سے بھلائی کا وعدہ کیا' اور بتایا کہ وہ بادشاہ کا ترجمان ہے' دوسرے دن ان کو بادشاہ کے سامنے پیش کیا' اس نے ان کا حال پوچھا تو وہی بتایا جو کل ترجمان کو بتا چکے تھے کہ وہ اس سمندر میں اس لئے گھسے تھے کہ دیکھیں اس میں کیا کیا عجائبات ہیں اور اس کے حالات کیا ہیں' اور اس کی حد دریافت کریں یہ سن کر بادشاہ ہنسا اور ترجمان کے ذریعے ان کو بتایا کہ اس کے باپ نے اپنے غلاموں کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ سمندر کے عرض میں ایک مہینے تک چلتے رہیں' مگر کوئی نتیجہ نہیں نکلا' اور وہ ناکام واپس آئے' پھر بادشاہ نے ترجمان سے کہا ان سے بھلائی کا وعدہ کرے' اور بادشاہ کے ساتھ حسن ظن پیدا کرے' اس نے ایسا ہی کیا' پھر وہ اس قید خانہ میں لے آئے' یہاں تک کہ وہ موسم آیا جب پچھوا ہوا چلتی ہے' تو ان کو ایک کشتی میں بٹھا کر اور آنکھوں پر پٹیاں باندھ کر ایک مدت تک سمندر میں چلاتے رہے' ان کا کہنا ہے کہ تین دن تین رات وہ چلتے ہوں گے' یہاں تک کہ وہ ایک خشکی میں پہنچا دیے گئے' وہاں ان کی مشکیں کسی گئیں' اور ساحل پر چھوڑ دیے گئے' یہاں تک کہ دن نکلا اور روشنی ہوئی اور ہم بندھے ہونے کے سبب سے سخت تکلیف اور بدحالی میں تھے' پھر ہم نے لوگوں کی آوازیں سنیں - چیخے تو وہ لوگ پاس آئے اور مشکیں کھولیں اور ہمارا حال دریافت کیا' ہم نے بتایا' یہ لوگ بربر تھے' ان میں سے ایک نے کہا تم جانتے ہو کہ تمہارے وطن کا یہاں سے کتنا فاصلہ ہے' انہوں نے کہا نہیں' انہوں نے کہا دو مہینوں کی مسافت یہ سن کر ان فریب خوردہ جہازرانوں میں سے ایک کی زبان سے وا اسفی (ہائے افسوس) نکل گیا' تو اس مقام کا نام آسفی پڑ گیا اور وہ مغرب اقصٰی کے بندرگاہ کا نام ہے (۱)

جزئی اضافہ اور دنوں کے اندازہ سے قطع نظر کر کے کیا ہم اس مقام کو جہاں تک یہ فریب خوردہ جہازران پہنچے تھے' شمالی امریکہ کا کوئی گوشہ سمجھیں دوسرے رنگ

---

(۱) نزہۃ المشتاق فی اختراق الآفاق صفۃ افریقیۃ والاندلس ص 104 لائیڈن'

کے انسان وہی تو نہیں' جن کا نام غلطی سے ریڈ انڈینس (لال ہندوستانی) رکھ دیا گیا ہے' جو وہاں کے اصلی باشندے ہیں'

ابن خلدون المتوفی 808ھ آٹھویں صدی میں بحر محیط کے ایک سفر کا حال لکھتا ہے جس میں اہل فرنگ کے چند جہاز بحر محیط کے کسی جزیرہ میں اتفاقاً پہنچ گئے تھے' چونکہ بحر محیط کے اندر یا انتہا پر جزائر خالدات کے علاوہ کوئی اور نام معلوم نہ تھا اس لئے اس کے اندر کی ہر آبادی کو اور خشکی کو جزائر خالدات کہہ دیتے تھے' چنانچہ وہ مقدمہ میں کہتا ہے'

"بحر محیط میں بہت سے جزیرے ہیں' جن میں تین بڑے اور مشہور ہیں اور کہا جاتا ہے کہ وہ آباد ہیں اور ہم کو خبر معلوم ہوئی ہے کہ اس صدی (آٹھویں صدی ہجری چودھویں صدی عیسوی) کے بیچ میں اہل فرنگ کے چند جہاز ادھر سے گذرے' اور انھوں نے وہاں لوٹ مار کی' اور وہاں کے کچھ باشندوں کو پکڑ لائے اور مراکش کے سواحل پر ان کو بیچا' اور وہاں سے وہ سلطان کے پاس پہنچے' جب ان لوگوں نے عربی سیکھ لی' تو انھوں نے اپنے جزیرہ کا حال بتایا کہ وہ کاشت کاری کے لئے زمین سینگ سے کھودتے ہیں' ان کے یہاں لوہا نہیں ہے' جو کھاتے ہیں' اور ان کے مویشی بکریاں ہیں' اور لڑائی میں پتھر کے ہتھیار استعمال کرتے ہیں' اور آفتاب کو پوجتے ہیں۔

اس کے بعد ابن خلدون کہتا ہے' اور صحیح کہتا ہے۔

| | |
|---|---|
| ولا یوقف علی مکان ھذہ الجزائر الا بالعثور لا بالقصد الیھا (ص45) | ان جزیروں کا صحیح پتہ نہیں معلوم اتفاقاً وہ مل جاتے ہیں قصداً وہ نہیں ملتے' |

اس کی وجہ یہ بتاتا ہے کہ جہاز ہوا کا رخ جانے اور ستاروں کی سمت معلوم

کرنے سواحل کے بحری نقشوں کی مدد سے چلتے ہیں'

وھذا کله مفقود فی البحر المحیط (صفحہ 45) اور یہ تمام مسلمان بحر محیط میں مفقود ہیں

اسی لئے جہاز اس کے بیچ میں ہو کر نہیں چلتے کیونکہ اگر سواحل کا منظر آنکھوں سے دور ہو جائے تو واپس آنے کی راہ کا بہت کم پتہ چلتا ہے' ساتھ ہی اس سمندر کی فضاء میں اس کے پانی کی سطح پر اسے بخارات رہتے ہیں جو جہازوں کو چلنے نہیں دیتے اور آفتاب کی روشنی پہنچنے نہیں پاتی' اسی لئے اس میں راستہ پانا اور اس کا معلوم ہونا مشکل ہے"

(مقدمہ ص 45)

ان تمام قصوں کو ممکن ہے کہ دلچسپ کہانیوں ہی کی صورت میں تسلیم کیا جاتا لیکن آج کل امریکہ کے کولمبس کی دریافت کی جو تنقیدی تاریخیں لکھی جا رہی ہیں انہوں نے ان کہانیوں کو سنجیدہ تاریخ بنا دینے کی سند پیدا کر دی ہے۔

## نئی تحقیقات

امریکہ کے انکشاف کی جو تنقیدی تاریخیں وقتاً فوقتاً لکھی گئی ہیں' اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نئی اور پرانی دنیا میں کولمبس سے پہلے سے تعلقات قائم تھے' ان تعلقات کی تعمیر میں کون کون سی قوموں نے حصہ لیا' اس کی دریافت تاریخی اور اثری ذریعوں سے اب تک کی گئی تھی' لیکن ابھی حال میں ہارورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر لیو وینر کی ایک کتاب تین جلدوں میں شائع ہوئی ہے' اس کا نام "افریقہ اور امریکہ کی دریافت" ہے' اس میں نہایت واضح طور سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ کولمبس امریکہ کا پہلا دریافت کرنے والا ہرگز نہیں' موصوف نے امریکہ میں پرانی آنے والی قوموں کی

دریافت کا ایک نیا طریقہ اختیار کیا ہے' انہوں نے امریکہ کے پرانے باشندوں کی اصلی
زبان کی فیالوجیکل تحقیقات کے ذریعہ سے یہ پتہ لگایا ہے کہ امریکہ کے باشندوں کی
پرانی زبان دراصل کن کن زبانوں سے ماخوذ و متاثر ہوتی رہی ہے' ونیر صاحب مجتہدین'
انسانی زبانوں میں بآسانی گفتگو کر سکتے ہیں' اور امریکہ کی پرانی زبان کے بڑے ماہر ہیں'
اس کتاب کا خلاصہ انگریزی رسالہ "ورلڈ ٹوڈے" فروری 26ء میں چھپا تھا' جس کا
اعتراف المقتطف اگست 28ء میں اور اردو ترجمہ معارف اگست 1927ء میں طبع ہوا۔

ونیر کی تحقیقات کا حیرت انگیز نتیجہ یہ نکلا ہے کہ امریکہ کی اصلی زبان میں
انگریزی فرانسیسی' ہسپانوی اور پرتگالی زبانوں سے بہت پہلے جس زبان کے الفاظ ہیں' وہ
عربی زبان ہے' یہ الفاظ ان کی تحقیق کے مطابق 1290ء کے قریب اس میں داخل
ہوئے اور کولمبس نے امریکہ کی دریافت کا شور اس کے ٹھیک دو سو برس بعد مچایا ہے' ونیر
نے کا فی تاریخی دستاویزوں سے ثابت کیا ہے کہ کولمبس سے پہلے بحر اوقیانوس میں تجارتی
جہاز رانی ہوتی تھی' مگر تاجر دوسرے بادشاہوں کے ڈر سے اپنی ان بحری مہموں کو
چھپاتے تھے۔

کولمبس کے خود ذاتی بیانات بھی حقیقت کی پردہ دری کرتے ہیں' وہ امریکہ
کے تیسرے سفر سے واپسی کے بعد بیان کرتا ہے کہ اسے وہاں زنگی سوڈانی باشندوں
سے سابقہ پڑا' بلکہ پہلے سفر کے بعد ہی وہ کہتا ہے کہ وہاں کے اصلی باشندوں نے اسے گنی
(گنی وہی مغربی افریقہ کے علاقے تھے جس کو ایک خاص مقدار میں تانبہ ملا کر بناتے
تھے) اور کوئی دیے "گوانیس" اس وقت کی افریقہ کی زبان میں سونے کے ان ٹکڑوں کو
کہتے تھے' جن کو شکل میں سونا ساحل گنی (غانا) سے یورپ میں لایا جاتا تھا' قدرتی طور
پر سونے کے یہ ٹکڑے دیکھ کر کولمبس متحیر ہو گیا کیونکہ وہ دراصل انہی سونے' ہاتھی
دانت اور قیمتی سامان کی تلاش میں یہاں تک آیا تھا' اس نے امریکہ کے باشندوں سے

دریافت کیا کہ انہوں نے وہ سونا کہاں سے پایا؟ اس کے جواب میں انہوں نے کہا "ہم نے یہ سونا کالے سوداگروں سے لیا ہے جو جنوب مشرق سے یہاں آئے تھے"۔ کولمبس کو گمان ہوا کہ وہ سونے کی اصل کان بتانے سے گریز کرتے ہیں۔ تیسرے سفر میں اس نے پھر وہی سوال کیا، اور وہی جواب پایا اور آخر بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ پرانے امریکیوں کے جواب درست تھے۔ ابتدائی کوتینس جو فرانسیسی اور پرتگالی ساحل سے لاتے تھے خالص سونے کے نہیں ہوتے تھے، بلکہ غانہ والے اس میں اسی کے برابر تانبہ ملا دیتے تھے۔ جب کولمبس کی لائی ہوئی کوتینس کا کیمیائی امتحان کیا گیا تو اس میں سونے اور تانبے کا وہی تناسب نکلا جو غانہ (گنی) کے لائے ہوئے کوتینس میں تھا۔

یہ طلائی ٹکڑے دراصل افریقہ ہی سے آئے تھے۔ ایسے ہی جو حبشی اس کو وہاں ملے وہ افریقہ ہی سے آئے ہوں گے۔ جہازوں کے کپتانوں کے ہر سفر سے پایا جاتا ہے کہ ان کے لئے خاص حبشیوں کی موجودگی ضروری تھی، وہ بطور ترجمان استعمال کئے جاتے تھے۔ کولمبس بھی ان میں سے چند کو پہلے سفر میں ساتھ لے گیا تھا۔ امریکہ جا کر اسے معلوم ہوا کہ ایسے حبشی وہاں پہلے سے موجود ہیں۔ یہی وہ لوگ تھے، جن کو جنوب مشرق کے سیاہ سوداگر کہا گیا تھا۔ انہی کے ساتھ غانہ کے سکے امریکہ پہنچے تھے اور انہی کے ساتھ عربی الفاظ، عربی پودے اور عربی تہذیب وہاں پہنچے۔

پہلے آثار قدیمہ کے ماہروں کا یہ خیال تھا اور اب زبانوں کے محقق بھی ان کے ساتھ مل گئے ہیں اور دونوں کا متفقہ دعویٰ ہے کہ امریکہ میں عربی تہذیب کا اثر کولمبس سے بہت پہلے پایا جاتا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ نئی دنیا افریقی عربی تمدن سے بہت حد تک متاثر ہو چکی تھی۔

امریکہ کی پرانی قوموں میں دو ممتاز نام ملتے ہیں "کارت" اور "مایہ" جو افریقہ کی عربی تہذیب کی حامل تھیں، معلوم نہیں ان کی اصلیت کیا ہے مگر یہ نام صحیح عربی ناموں

کی تحریف معلوم ہوتی ہے' پہلا نام اندہ ہے اور دوسرا نام معلایہ ہے' اندو کی نسبت پہلے ہم لکھ چکے ہیں(۱) کہ یہ لوگ ابتدائے اسلام میں عمان سے افریقہ اور مڈغاسکر کے بحری جہازراں تھے اور بہادری سے اپنے جہاز بحر ہند میں چلایا کرتے تھے۔

بہر حال رسالہ فورو نیر کی تحقیق کا خلاصہ آگے ان الفاظ میں دیتا ہے'

"ازٹ اور مایہ کی تہذیبیں دراصل امریکہ میں افریقہ کی عربی تہذیب کی نقلیں تھیں اور ان کا زمانہ 1150 سے 1200ء تک قرار دیا جاتا ہے"

ہم نے "مغروریں" کے سفر کا جو زمانہ لکھا ہے' وہ اسی کے قریب ہوتا ہے'

"عربی تہذیب نویں صدی عیسوی میں اپنے معراج پر تھی اور 1100ء میں صحرائے اعظم کو عبور کر کے افریقہ کے مغربی مینڈنگو کا تجارتی صوبہ قائم کر چکی تھی' اس کے مقابل میں امریکہ کا صوبہ میچوکن(۲) تھا جو خلیج میکسیکو کے ساحل پر واقع تھا' عربی الفاظ کی آمیزش سب سے پہلے میچوکن میں پائی جاتی ہے' اور وہ الفاظ مینڈنگو کی زبان میں ملتے ہیں' اور یہ امر خاص طور پر ذکر کے قابل ہے کہ یہ الفاظ ایسے ہیں کہ جو ایک تجارتی کار مندہ یا سیاح استعمال کرتا ہے' مثلاً جادو' دوا' مذہب اور نظام حکومت کے متعلق" یہ نتیجہ کہ منڈنگو اور میچوکن کے درمیان آمد و رفت بھی لابدی ہے' ہر طرح تازہ تحقیقات سے اس کی تائید ہوتی ہے' ازٹ اور مایہ کی تہذیبوں کا یک لخت انحطاط اس کا ایک اور ثبوت ہے' چونکہ یہ ایک طرح کی نوخیز تہذیبیں تھیں' جس وقت ان کا اپنے اصلی مرکز سے قطع تعلق ہو گیا ان میں تنزل آنا شروع ہو گیا' یہ امر کہ یہ تعلق صرف تجارتی تھا' اس بات سے ثابت ہوتا ہے کہ عربی تہذیب کا اثر میچوکن میں داخل ہو کر صرف تجارتی راستوں کے آس پاس ہی پایا جاتا ہے اور یہ صرف خالص عربی کا اثر تھا"

اگر مسٹر و نیر کی ان لسانی تحقیقات کے نتائج درست ہیں' تو ہم نے ان کی تصدیق کے لئے جو مقدمات گزشتہ صفحوں میں فراہم کئے ہیں' وہ بھی قابل قبول ہیں۔

---

(۱) عربوں کی جہازرانی ص ۲۰۷ (۲) میکسیکو میں ایک ریاست بحر الکاہل یا سمت سے ملتی ہے۔

# پرانے عربوں کی امریکہ میں آبادی

اس نظریہ کو سن کر لوگوں کا پہلا سوال تھا کہ اگر یہاں کولمبس سے پہلے عربوں کی آمدورفت تھی' تو امریکہ میں ان کے نشانات کیوں نہیں ملتے' اور ان کی کسی نو آبادی کا پتہ یہاں کیوں نہیں لگتا' مگر خدا کی قدرت: دیکھئے کہ عین اس وقت جب یہ سطر زیر تحریر تھیں' امریکہ کے عربی اخبار "الہدیٰ" نے ایک نیا انکشاف دنیا کے سامنے پیش کیا' جس کی صدائے بازگشت سے دنیا گونج گئی' اور خود ہندوستان کے اردو اخبارات نے اس کے اقتباسات دسمبر 1930ء میں شائع کئے' براعظم امریکہ میں وہاں کی مہذب ریاستوں اور متمدن ملکوں کے علاوہ بہت سے ایسے پہاڑی مقامات' جنگل اور گاؤں ہیں جہاں اس براعظم کے پرانے باشندے آباد ہیں اور جو اب تک اپنی وہی پرانی قبائلی زندگی بسر کر رہے ہیں اور جہاں تک اب تک کسی یورپین سیاح کے قدم نہیں پہنچے ہیں' خصوصیت کے ساتھ یہ مقامات میکسیکو کے علاقہ میں زیادہ ہیں' اخبارات راوی ہیں(۱)

"ایک شامی عرب تاجر میکسیکو کے چپاس اور ینا سلا کے صوبوں میں پھیری کر کے سوداگری کا مال بیچتا تھا' حال میں اتفاقاً اس کا گزر ایک کوہستانی علاقہ میں ہوا جہاں آمدورفت جاری نہیں تھی' چلتے چلتے ایک جنگل میں پہنچا' وہاں ایک قبیلہ دیکھا' رات ہو چکی تھی' سوداگر نے اسپینی زبان میں ان جنگلی باشندوں سے شب بھر رہنے کی درخواست کی اس کے جواب میں ایک شخص نے عربی میں کہا کہ ہم لوگ تمہاری بولی نہیں سمجھتے' عربی سوداگر اس جنگل میں عربی زبان سن کر حیرت میں آ گیا اس نے ان سے عربی میں گفتگو کی' اور انہوں نے کہا کہ وہ صدیوں سے اس جنگل میں آباد ہیں اور

---

(۱) المنظم دسمبر 1920ء والسیاسہ مورخہ 27 شعبان 49 12ھ مطابق 16 جنوری 1931ء
پیام کلکتہ مورخہ 28 دسمبر 1930ء

عربی کے سوا کوئی دوسری زبان نہیں جانتے"

سوا آر لنڈکور کا بیان ہے کہ یہ قبیلہ اب تک اپنے عربی رسم و رواج پر قائم ہے اور خالص عرب ہے۔ یہ خبر میکسیکو کی حکومت کو معلوم ہوئی تو اس نے ایک کمیشن اس عرب قبیلہ کی تحقیق حاصل کرنے کے لئے روانہ کیا ہے۔

یہ قبیلہ چار سو برس سے زیادہ سے یہاں آباد ہے اور دوسرے ہمسایہ قبیلوں سے الگ تھلگ زندگی بسر کرتا ہے۔

اس خبر سے ڈاکٹر فیر فورڈ کے بیانات اندلس اور پرتگال کے عرب "مغرورین" (فریب خوردہ جہاز رانوں) کی مضمون کی تصدیق ہوتی ہے۔

اس سلسلے کی اہم خبر یہ ہے کہ لبنان کے جبل شمالی کے شخص مظفر یوسف معادہ نے جنھوں نے میکسیکو میں سکونت اختیار کر لی ہے، مصر کے اخباروں میں چھپنے والا یہ اطلاع شائع کی ہے اور جو الفتح مصر مورخہ 30 جمادی الاولیٰ 1354ھ نمبر 245 میں چھپی ہے کہ وہ میکسیکو میں اپنی زمین واقع ریوگری (میکسیکو) میں کھدائی کرا رہے تھے کہ ان کو دو معدنی ٹکڑے ملے جو تحقیق سے عربی کے ثابت ہوئے۔ اس دریافت کا وہاں کے علمی حلقوں میں بڑا چرچا ہے۔

## کولمبس اور امریکہ

یہ تحقیق تو ایک مدت سے مشہور ہو چکی ہے کہ کولمبس پہلا شخص ہے جس نے اس نئی دنیا کو پرانی دنیا سے ملایا مگر اس نے جو کچھ پایا اتفاقیہ پایا کہ شاید

"آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے"

کولمبس ہندوستان اور چین کی تلاش میں تھا کہ امریکہ پہنچ گیا۔ کسی علمی استعداد سے وہ اس نتیجہ پر پہنچا اور بقول ایک اطالوی عالم ہیئت اور مستشرق کرونلینو کے کہ "کولمبس عربوں کی مقدار مسافت اور میل کے صحیح اندازہ کے نہ

پانے کی مبارک غلطی سے امریکہ پہنچ گیا" فاضل اطالوی عالم کی اصل عبارت عربی کا ترجمہ یہ ہے:

"لاطینی کتابوں کے عربی ترجموں کے ذریعے سے لوگوں نے ایک درجہ فلکی کی پیمائش کا جو اندازہ لگایا تھا یعنی 56 213 میل وہ یورپ میں بھی مشہور ہوا اور جس طرح یونانی اور سریانی کتابوں کے عربی ترجمہ کے ذریعے سے یونانی میل کی مقدار نہ جاننے سے اہل عرب نے غلطی کی اسی طرح چودھویں صدی اور پندرھویں صدی میں عربی میل کی صحیح مقدار نہ سمجھنے کے سبب سے اہل یورپ غلطیوں میں مبتلا ہو گئے انہی میں کرسٹوفر کولمبس امریکہ کا پتہ لگانے والا بھی تھا اس نے ایک درجہ کے 56 213 عربی میل کو لاطینی 65 213 سمجھ کر مغربی یورپ اور ایشیا کے مشرقی سواحل کی مسافت اس سے بہت کم سمجھی جو حقیقت میں ہے اگر یہ غلطی نہ ہوتی تو کبھی جرأت نہ کرتا کہ مغربی یورپ سے اوقیانوس میں چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں بیٹھ کر صرف چند مہینوں کی خوراک لے کر چین پہنچنے کا تخیل کرتا۔ آخر اس سفر سے رک کر وہ اس غلطی کی بدولت امریکہ کے جدید براعظم پہنچ گیا جس نے ایک نئے انسانی دور ترقی کا آغاز کیا۔ یہ غلطی کیسی مبارک تھی جس نے دنیا کو عظیم الشان فوائد سے مالا مال کر دیا(۱)

کولمبس اس وقت ظاہر ہوا جب اہل اسپین اندلس کے عربوں سے آخری لڑائی لڑ رہے تھے اور ان کو اپنے ملک سے نکال رہے تھے اس کا زمانہ اسپین اور پرتگال میں گزرا۔ ایک معمولی سیاح سے جہاز راں تک پہنچا وہ ہیئت جغرافیہ اور سفرنامے کی کتابیں پڑھا کرتا تھا ایک اسپینی خاتون سے شادی کی اس ذریعہ سے اسپین کے ایک عیسائی خانقاہ کے جغرافیہ داں راہب سے ملا۔ پھر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ جہاز رانوں کے لئے

---

(۱) خطبہ علم الفلک عند العرب ص 233

بحری نقشے تیار کر کے فروخت کرتا تھا اور بحری مسافروں اور جہاز رانوں سے معلومات جمع کرتا تھا، عین اسی عرصہ اور اسپینی لڑائی کے زمانہ میں وہ ملکہ اسپین سے نئے جزیرے اور نئے بحری راستوں کیلئے مدد کا طالب ہوا۔ اس زمانہ میں اسپین اور پرتگال کے عیسائی موروں (مسلمان عربوں) کو نہ صرف اسپین بلکہ تمام سواحل و جزائر سے نکالنے کیلئے ہر طرف بحری بیڑے بھیج رہے تھے، سواحل بحر محیط سے لیکر سواحل افریقہ سے یہاں تک کہ عرب اور ہندوستان کے سواحل تک سے عرب جہاز رانوں کو لڑا کر نکال رہے تھے اور ان سے بحری نقشے حاصل کرتے تھے، وہ سونے کی کان والے افریقی ساحل تک بھی گیا تھا جہاں افریقی اور زنگی ملاح بحر ظلمات پر ٹاپوؤں کو جاتے تھے۔

بہر حال اس زمانہ میں یورپ اور خصوصاً اسپین اور پرتگال میں علم ہیئت، ہندسہ، جغرافیہ اور بحری سفر کے معلومات جو کچھ تھے وہ عربی تصنیفات یا ان کے تراجم کے ذریعے تھے، جیسا کہ اس عہد کی تاریخوں میں مورخین نے بیان کیا ہے۔ اور اسی طرح کولمبس اپنے نظریہ کی ترتیب و تکمیل میں تمام تر عربوں ہی کی تحقیقات سے مستفید ہوا۔

(معارف مارچ و اپریل 1939ء)

سفر گجرات

# سفر گجرات
# کی چند یادگاریں

جولائی 1933ء میں ندوۃ کی مجلس سیرت کے سلسلہ میں مجھے گجرات کے سفر کا اتفاق ہوا، اس خطہ کو ہندوستان کے تمام دوسرے صوبوں کے مقابلہ میں چند خصوصیتیں حاصل ہیں، اول یہ کہ عرب اور ہندوستان کے باہمی تعلقات کا آغاز اسی سرزمین سے ہوا، دوسرے یہ کہ عرب سے جو علماء دریا کے راستے سے ہندوستان میں وارد ہوتے تھے، وہ پہلے یہیں اترتے تھے، موقع ملا تو آگے بڑھے ورنہ یہیں سے لوٹ جاتے تھے، ہندوستان سے جو علماء عرب جانا چاہتے تھے، وہ اسی راستے سے سفر کرتے تھے، اس صوبہ کے سیکڑوں دیہات حرمین محترمین کے مصارف کیلئے وقف تھے، دوسرے ملکوں سے جو نادر اور بطور تحفہ چیزیں یہاں آتی تھیں وہ پہلے یہیں پہنچتی تھیں، حج کیلئے ہر سال ہزاروں علماء امراء اور عام مسلمان اسی راہ سے حرمین مقدسہ کی

طرف روانہ ہوتے تھے۔

اخیر زمانہ میں سلطان عالمگیر اور سیواجی کی سیاسی کشمکش کا میدان جنگ یہی خطہ تھا اور اس لیے سلطانی لشکر کا پڑاؤ اکثر یہاں رہتا تھا اور اس تعلق سے یہ صوبہ کبھی پورے ہندوستان کا دارالسلطنت بن جاتا تھا اور ہر قسم کے اہل کمال ادھر کا رخ کرتے تھے۔

دکن و گجرات کے علاقے میں مسلمانوں کی آبادی بہت کم ہے اور جو ہے وہ ہندوؤں کی کثرت زور قوت اور سیاسی تمدن میں غرق ہے اور سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ہندوستان کے علمی و مذہبی و سیاسی مرکز یعنی ہندوستان خاص سے وہ بہت دور ہے اس لئے یہاں کے دیہاتوں اور قصبوں میں مسلمانوں کی حالت قابل رحم تھی۔ سلطان عالمگیر کی دوربین نگاہوں سے ان اسباب کا نتیجہ چھپا نہ تھا، سلطان نے اس پورے علاقے میں علماء صوفیہ اور مذہبی معلمین کی قطار در قطار آباد کر دی، موذن خطیب، امام اور ملا (جو جانور شرعی طور سے ذبح کرتے تھے) موروثی مقرر کر دیئے اور ان سب کیلئے وظائف اور سرکاری اوقاف معین کئے جو آج تک ان کے اخلاف کے قبضہ میں ہیں۔ وہاں کے دیہاتوں میں آج تک ان ہی ملاؤں کی اولاد نسبتاً اس فرض کو ادا کر رہی ہے، یہاں تک کہ کوئی ہندو بھی اگر جانور ذبح کرانا چاہتا ہے تو یہ خون اسی کے ہاتھوں سے کراتا ہے۔ یہاں اب بھی ایسے سینکڑوں ہزاروں شریف خاندان آباد ہیں جو انہی مذہبی فرائض کیلئے یہاں آباد کئے گئے تھے اور ان کو اس کیلئے سرکاری اوقاف دیئے گئے تھے، جن پر وہ آج تک قائم ہیں، اور انہی کے بدولت آج انگریزی سرکار میں بھی ان کو عزت اور وقار حاصل ہے، اور مسلمانوں کی کچھ ممتاز صورتیں یہاں نظر آتی ہیں۔

## بھڑوچ

جس کے کنارے دریائے نربدا بہتا ہے اور جو آگے چل کر بحر عرب میں

مل جاتا ہے، عربوں کے جنگی و تجارتی آمد و رفت کا مرکز تھا، عرب اس کو بروص کہتے ہیں 14 ھ میں حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے عہد میں جب اسلام کے ملکی فتوحات کا شباب تھا ان کے جنگی جہاز اس ساحل پر لنگر کرتے تھے، سفر کے اثنا میں جب میں بھروچ پہنچا اور نربدا کے کنارے آکر کھڑا ہوا تو تخیل کی آنکھوں نے تیرہ سو چھتیس برس پہلے کی تصویریں نگاہوں کے سامنے کر دیں اور گو میں شاعر نہیں، تاہم جذبات کے تلاطم نے موزوں ترانہ کی شکل اختیار کرلی:

خوشا! اے خوشا! اس جادۂ بحر عرب!
جانتا ہے تو مری تاریخ کا پوشیدہ راز

تو گذشتہ کاروانوں کا نشان راہ ہے
رشتہ ہند و عرب تجھ سے ہوا تھا استوار
ہند میں اسلام کے انجام کا آغاز تو
آج کس کو یاد ہے وہ داستان باستان
تو ہے ویرانی پڑی یا شاہد عالم ہے تو
تیرا ہر قطرہ حیات کا اک سرشار جام
اے بھروچ! اے خاتم انگشت رود نربدا
تو جیسے چشم ظاہر آج تیری خاک ہے
یادگار عہد خیر القرون ہے تیری زمین
چشم عبرت کی نگاہیں جب تری جانب، جبیں

گرچہ تو ہندی ہے لیکن زادۂ بحر عرب
تیرے در و دیوار پر ٹھہرا تھا مرا پہلا جہاز

ہند میں اسلام کی تاریخ سے آگاہ ہے
تیرے ساحل کا ہر اک ذرہ ہے اس کی یادگار
چار صدیوں تک رہا اسلام کا دمساز تو
تیرے ساحل پر جب اترا تھا عرب کا کارواں
اس سمندر کے گلے کی شہ رگ محکم ہے تو
اس تن قالب میں تیرا خون دوڑتا ہے کام
عہد ماضی کی تیری عزت رہے باقی سدا
ذرہ ذرہ پر تو خورشید ذی جاہ ہے
مطلع انوار ذی النورینؓ ہے تیری جبیں
تیری موجیں گویا افسانوں کی سطریں ہیں تھیں

یہ ترانہ کمال شعر اور زیبائش نظم سے خالی ہے اسلئے اہل وجد و سماع اس پر کان نہ دھریں

## بھروچ کا ایک پرانا خاندان

بھروچ میں عہد عالمگیری کی یادگار ایک خاندان ہے جو یہاں مسند قضا

پر مشتمل تھا' اس خاندان کے موجودہ چشم و چراغ جناب قاضی نور الدین شیرازی صاحب ہیں لب دریا ان کا فضیلت کدہ یادگار زمانہ ہے ایک موروثی کتب خانہ ان کے اسباب و زینت میں ہے' افسوس ہے کہ اس وقت قاضی صاحب موجود نہ تھے' اس لئے میں کتب خانہ کی سیر نہ کر سکا' مگر میرے ایک عزیز نے ان کا کتب خانہ دیکھا ہے' اس کے حسب ذیل نوادر کا حال مجھ سے بیان کیا'

# اس خاندان کے چند نوادر کتب

(1) شرح مثنوی مولانا روم (؟) جلد پنجم آخر میں ہے'

"ذوالقعدہ 1090 ہجری میں بسنت رائے نے قصبہ بھکر متعلقہ سرکار خیر آباد میں تحریر کیا"

(2) حدائق (۱) الحرفی و دقائق الشعر مؤلفہ محمد بن محمد بن عبدالجلیل العمری بہ رشید و طواط آخر میں ہے'

تم الکتاب بعون الملك الوهاب وحسن توفيقه على يد العبد الضعيف محمد الحافظ الهروی ' تحريراً في يوم الاثنين ثاني عشر من ربيع الأول ۸٦۲ھ اثنين وستين وثمانمائة الهجرية النبوية بدار السلطنة شيراز بزمان قيلد'

(3) المحيط للسرخسی جلد ثانی جمع الامام الهمام مولانا رضی الدين محمد بن محمد بن محمد سرخسی الحنفی' آخر میں ہے

" كان الفراغ من كتابته في يوم الرابع ذوالقعدة ۹۰۹ھ كاتب علي ابن علي بن

(۱) یہ کتاب ایران میں چھپی ہے اور ملتی ہے۔

رمضان العبادی الشافعی الازہری"

"(4) گلستان، متوسط تقطیع اور معمولی خط نسخ

مصنف کے اصل نسخہ سے یاقوت مستعصمی نے اور اس نسخہ سے بحکم جہانگیر سید جلال الدین قاری نے اور اس سے سید محمد بن سید زین العابدین بن سید احمد حسن رضوی نے 1219ھ میں نقل کیا۔

(5) مخازن المعروف جلد ثانی "شرح مشکوٰۃ فارسی" از کتاب الزکوٰۃ تا کتاب البیوع دوسری تیسری اور چوتھی جلد ہے۔

صفحہ اول مطلا ہے، تقطیع کلاں۔ امیر خواص خاں غلام فرخ سیر بادشاہ غازی کی مہر 1225ھ ہے کہ معروف بہ حسین 1112ھ میں تحریر ہے۔

مدرسہ دار الارشاد احمد آباد میں بھی رہ چکی ہے۔

(6) کتاب الخلاصہ (خلاصۃ الفتاویٰ): مؤلف طاہر بن احمد بن عبد الرشید البخاری، تقطیع اوسط، تقطیع کلاں، مختلف سن، خط عربی، جس کے آخر میں ہے:

"تم کتاب الخلاصة من املاء الشیخ محمد بن محمد بن نصر المدعوابحافظ البخاری علی ید افقر عبیده محمد المدعوا صفی الدین بن محمد الخطیلی ولد ابن حسین بن علی بن محمد بن احمد فی دولة الملك محمد بن مراد بن سلیم بن سلیمان بن سلیم بن بایزید بن شهور سنة ثلاث بعد الالف ۱۰۰۳ھ نقل من نسخة تاریخها یوم الجمعة العشرین من شهر ربیع الاول سنة ثلاث وتسعین ستة مایة۔"

(7) مجمع البحرین "ترجمہ" اھنسہ پرم جس" از تحریر رید، فارسی، شاہ مرد

نے 1136ء میں سنسکرت سے ترجمہ کیا کتاب تندرام' ولد انت رام' خط فارسی نستعلیق 13x تقطیع صفحات 82'

## ہندوستان کی سب سے پرانی مسجدیں

قاضی صاحب کے عزیز خاص جن کو حکومت برطانیہ سے سردار صاحب کا خطاب حاصل ہے' وہ موجود تھے' ان کا دولت کدہ بھی گزشتہ جاہ و جلال کا مرقع تھا' موصوف نے اپنے خاندان کے پرانے ہتھیاروں کی سیر کرائی ان کی عمارت کے سلسلہ میں ایک چھوٹی سی معمولی مسجد ہے' جس پر 430 کا یہ کتبہ لگا ہے۔

هذه العمارة القديمة في شهور 430ھ

اس کتبہ کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ یہ بعد کو لگایا گیا ہے بہر حال اس کی کوئی تاریخی سند اگر موجود ہو تو کہا جا سکتا ہے کہ یہ اس صوبہ کے اسلامی فتوحات سے پہلے کی یادگار ہے یا یوں کہئے کہ محمود غزنوی کے حملہ گجرات سے چند سال بعد کی ہے' جو بہر حال کوئی مستقل فتح نہ تھی۔

اس کے بعد اس شہر میں اسلام کی ایک اور قدیم یادگار وہاں کی جامع مسجد ہے' اس جامع مسجد کی اصل تعمیر کا کتبہ 458ھ ہے' بعد کو محمد تغلق کے عہد میں 721ھ میں دروازہ کے اوپر ایک گنبد کا اضافہ کیا گیا ہے گنبد سنگ خارا سے بنایا گیا ہے' اور اس پر حسب ذیل کتبہ لگا ہے۔

"در عہد دولت سلطان عالم غیاث الدین والدنیا محمد تغلق ہشت و صد و بست و یک"

غالباً ان مسجدوں سے زیادہ پرانی کوئی دوسری مسجد ہندوستان میں نہ ہوگی'

# انکلیشور کا ایک خاندان

بھروچ سے قریب ہی ایک پرانا قصبہ انکلیشور نام ہے جو سورت کے سفر میں
بمبئی کی ایک منزل تھا۔ یہاں بھی عہد شاہی کی یادگار ایک خاندان آباد ہے خاندان کے
بانی شاہ عبدالحلیم صاحب ہیں جو اکبر کے معاصر تھے 1005ھ میں انہوں نے وفات
پائی ہے ان کی خانقاہ و مسجد یہیں واقع ہے خاندان کے موجودہ جانشین کا نام سید حیدر
علی غلام علی انعامدار ہے موصوف کے پاس خاندان کی پرانی آمد کی سند پرانی کتابوں
کی ایک الماری ہے اس میں چند عربی کی اور باقی فارسی تصوف کی کتابیں ہیں مگر اردو
میں بھی بعض کتابیں نظر آئیں۔

## اس خاندان کے چند نوادر کتب

عربی کتابوں میں سب سے زیادہ چیز یہاں قدیم طب کی ایک کتاب تقویم
الادویہ ہے اس کا سال کتابت 588 ہے نسخہ خط عرب شیر و غرما سے لکھا ہوا ہے اور
اب تک اچھی حالت میں ہے۔

## حقہ کی تاریخ

یہاں ایک مجموعہ میں ایک صفحہ پر چند واقعات کی تاریخیں لکھی ہوئی نظر
آتی ہیں جن میں سب سے اہم ہندوستان میں حقہ کے رواج کی تاریخ ہے یہ تاریخ
"شی بی" کے الفاظ سے نکالی گئی ہے جس سے 1029ھ نکلتے ہیں چونکہ یہ چیز
گجرات ہی کے راستے ہندوستان میں وارد ہوئی ہے اس لئے عجب نہیں کہ تاریخی
[illegible] صحیح ہو 1129 جہانگیر کا عہد ہے۔

## بنائے سورت کی تاریخ

گجرات کا وہ مشہور دریا جو عرب سے جا کر ملتا ہے دریائے تاپتی ہے

اس کے کنارے پر شہر سورت آباد ہے اور دوسرے کنارے پر راندھیر پہلے بحر عرب
میں جانے والے جہازوں کا بندرگاہ راندھیر تھا مضمون کے شروع عہد میں اس کے
بجائے سورت کی آبادی بڑھی اور وہ ہندوستان کا سب سے بڑا بندرگاہ تھا اس قلمی
یادداشت میں اس بندرگاہ کی آبادی کی تاریخ 937ھ نظر آئی تاریخ کا مصرع یہ تھا

ع :- باد آباد بندر سورت

راندھیر جس کو پہلے رانیر کہتے تھے اسلام کے قدیم فتوحات میں ہے اس
یادداشت میں اس فتح کی تاریخ ایک قدیم مسجد کے کتبہ سے حسب ذیل بتائی گئی تھی۔

بنا کرد مسجد بجائے کنشت                 برایوانش انا فتحنا نوشت
(591ھ)

# راندھیر کی پرانی مسجد

چند دوستوں کی دعوت پر راندھیر جانے کا بھی اتفاق ہوا یہ دولت مند
دیندار مسلمان تاجروں کا مسکن ہے اور دعوی کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اس قصبہ میں
جس قدر خوبصورت اور عمدہ اہتمام کے ساتھ مسجدیں دیکھنے میں آئیں پورے
ہندوستان میں کہیں نہیں آئیں ان مسجدوں میں سے ایک قدیم مسجد جو بادارہ ہے
یادداشت مذکور میں اس مسجد کی بنا کی تاریخ یہ لکھی تھی

شکر کہ بسعد تو بنا شد ایں معبد شریف               گر کسی مسجد اعلیٰ ور رباب شریف
795ھ

گجراتی ہندوی کے بعض کتابت بھی اس خاندان کے ذخیرہ میں دکھائی دیے جن میں
سے درج ذیل کتابیں ذکر کے قابل ہیں۔

مصنف اور تصنیف کا زمانہ مذکور نہ تھا۔

اسی قسم کا ایک عربی لغت مدرر عزیز سید نجیب اشرف ندوی کی ملکیت میں ہے مگر وہ اس کے علاوہ ہے' اس کے ابتدائی شعر یہ ہیں:

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| الالہ | پرستیدہ | پوجیا | المعلوم | دانستہ | بوجھیا |
| الحمد | ستودہ | سمجھایا | المعروف | شناختہ | سمجھائیے |
| الرسول | فرستادہ | بھیجیا | الواضح | روشن | تجیا |
| الآل | ودرمان | کتیہ | النقود | خرشہ | لونیا |

معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ گجرات میں عرب اور ایرانی کثرت سے آیا کرتے تھے اس لئے ان کو ہندی سے آشنا کرنے کے لئے اس قسم کے لغت یہاں لکھے گئے ہیں۔

# رسالہ فقیری چہار پیر چودہ خانوادہ

اس رسالہ کا آغاز ان لفظوں سے ہے:

بدانکہ بوجھ تون یہ رسالہ فقیری حضرت امام جعفر صادق نے فرمایا ہے جو بوجھے وسیکے وگرنہ تو فقیری نہ کرے۔

سوال اگر تیرے پوچھے کہ اول فقیری کیا ہے تو آخر فقیری کیا ہے اور خانہ یعنی گھر فقیری کیا ہے اور کنجی فقیری کیا ہے اور قفل فقیری کیا ہے۔

اسی قسم کے سوال وجواب پر رسالہ کے اکیس صفحے ختم ہوتے ہیں تصنیف

و مصنف کے ذکر سے پوری خاموشی ہے۔

## رسالہ فقہ ہندی

یہ فقہی مسئلوں کے بیان میں ایک نظم ہے۔ آغاز کے اشعار یہ ہیں

حمد ثنا سب رب کوں خالق کل جہاں — لائق حمد ثنا کے اور کوئی نہ جان
علم شریعت علم وہی بھیجا پاک رسول — جو کچھ بھیجا رب نے سب ہم کیا قبول
یارب اپنے کرم سوں ناچہ بھیج درود — نبی محمد مصطفیٰ تسوں ہوں خوشنود
بھیجو ان کی آل پر اور اصحاب تمام — سب بھیجو! دعا ہے پر بہت درود سلام
کچھ مسئلے دین کے عبد رکھے امین — فقہ ہندی زبان سے بوجھ کر و یقین
مطلب مجھے پوچھنا جو کچھ ہوے زباں — عربی ترکی فارسی ہندی یا افغان

اس کے بعد فقہی ابواب ہیں عورتوں کے تحت میں ہر قسم کے مسائل ہیں 'خاتمہ' میں تصنیف کا سال 1075ھ عہد اورنگزیب نسخہ صاف بتایا گیا ہے 'خاتمہ' میں ہے۔

فقہ ہندی کوں مومناں کر زبان پہ یاد — مسائل اوپر دین کے کبھی نہ ہوے فساد
سنہ ہزار پچھتر ۱۰۷۵ھ بیچ ماہ رمضان تمام — اورنگ شاہ کے دور میں نسخہ ہوا تمام

اس فقہی نظم میں خاص چیز نظم کا زبان ہے جو عربی فارسی کے بجائے ہندی زبان کی پیروی میں ہے۔ اس نظم سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ پرانے لوگوں کے زمانے میں ہندی کس کو کہتے تھے۔

## داستان حضرت ماہ رمضان

اس نظم میں ماہ رمضان کی فضیلتوں کا ذکر ہے 'مصنف کا نام بدیع الدین ہے' شروع کے شعر حسب ذیل ہیں۔

سر نامہ از نام سبحان لکھوں · کہ دل کی ورق پہ تجلی کر لکھوں
زبان کو ہے جو ہر اسی کو ثنا · اسی کو سو قدرت ہے جگ میں عیاں
کریم و رحیم و وہ غفار ہے · کرم عاصیاں پہ کرنا رہے
ہر چیز اس کی صنعت کا بیاں · کہ پیدا کیا جن نے ارض و سما

آخر میں لکھا ہے۔

کرو اس کی سب نعمتوں پر شکر · مصیبت کے اوپر تحکم ہے صبر
کہ تا عاقبت تیری ہووے بھلی · کہ شادی و غم جگ میں جاتے چلی
بدیع الدین تعریف عقل کی کرو · کہ چھوٹک کی جس میں توقع دھرو

اس نظم کی خصوصیت خاص فارسی آمیز ترکیبیں اور قافیوں میں صرف صوتی ہم رنگی ہے۔ عربی الفاظ تحکم اور صبر وغیرہ کو اس طرح باندھا ہے جس طرح ہندی میں لائے جاتے ہیں۔

## داستان قیامت

اس نظم کا شروع ان اشعار سے ہے

سخن ہے مراجوں کل داستان · نصیحت کی باتوں سنو داستاں
لباسی مسلمان کھاتے ہیں دوست · کہ کھاتے ہیں سب گائے بکری کا گوشت
لباسی شریعت کریں تن میں · شریعت کی باتاں نہ بوجھیں من میں
بڑی ریش تسبیح خوش پیرہن · بھری دل میں کینہ بھات کے مکر و فن

آخری شعر میں اس نظم کا سال 1077ھ (7) بتایا گیا ہے۔

سنہ ایک ہزار و ستتر نے سو · لکھی ہے حکایت کتابوں کی رو
بتاریخ غرہ دریں ماہ پیر · یا تمام آن شعر مدد دستگیر

## فقہ مبین

یہ نظم فقہ کے مسائل میں ہے آغاز اس طرح ہوتا ہے۔

ثنائے پاک ربّ العالمین سوں     شروع کرتا ہوں فقہ مبین سوں
ثنا مصطفیٰ مقبول پر سن     کہی عقدہ فقہ کے مجھ پہ کر حل
مسائل فقہ کے ہیں اصل ایمان     نہ جس کا ہے سو وہ کیوں ہوئے مسلمان

اس کے بعد آپ تمام 40 باختصار کا نظم میں ذکر کیا ہے، پہلے ایمان کے مسائل پھر طہارت، وضو، غسل وغیرہ اس کے آخر میں بدعت کا رد اور حقے کی برائی ہے آخر مکرر ہے۔

یقین فقہ المبین کوں کرتے فتح و     کیا دین پناہ کل معصوم
حسب حد بجشار ذوالعقب ہجرہ     بتاریخ تدوین گشت تمت
اُگیارہ سو میں اسی اوپر دو     سن ہجری نبیوں کے شاہ

رسالہ کے آخر میں خاتمہ کی عبارت ہے:

نسخہ قوت دین فقہ المبین تصنیف حضرت شاہ یقین رحمۃ اللہ علیہ۔

اس سے مصنف کا نام شاہ یقین، کتاب کا نام قوت دین المبین، اور تصنیف کا سال 1182 معلوم ہوتا ہے۔

## مثنوی کتخدائی

کسی رسم شادی کی تعریف و توصیف میں ہے، رسالہ اس طرح شروع ہوتا ہے۔

ثنا وہ ہے درگاہ یزداں — وہ خالق سب کا ہے کیا جن وانساں
ثنا و حمد کے لائق سدا ہے — سزاوار او خدائی کا خدا ہے
محمد اشرف اولاد آدم — حبیب و سرور و سردار عالم
شہ آدم محمد سرور دیں — کہ ختم الانبیا ﷺ ہیں رہ بردیں
ہوا جس شان میں لولاک لما ورد — دیکھوں محبوب کا رتبہ ہے شاہد

اس کے بعد خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کی مدح اور امامین علیہما السلام کی تعریف میں چند شعر ہیں اس کے بعد نکاح کا قصہ شروع ہوتا ہے۔

شروع کرتا ہوں اب شادی کی تعریف — نزاکت سیں لکھوں میں اس کی توصیف
مہیا سب کیا سامان اظہر — لباس و زیور و لولو و گوہر

اس کے بعد ان سرخیوں کے ماتحت چند باب ہیں 'در وصف الطعام' 'در وصف الحلل' 'در وصف بردن برات' 'در وصف شہر گشت' 'در وصف نکاح خوانی' 'در بیان خلوت' خاتمہ اس پر ہوتا ہے۔

سخن کو مختصر کہاں تک کہے گا — یہ سب طومار آخر کون تھکے گا
بعزت عیش پایا سزاواری — مری یہ مثنوی ہے یادگار
شب جمعہ دوم از ماہ رجب — کہ شادی ہور شہر گشت ہے شب
سنہ ہجری دراں وقت ہور موجود — ہزار و یک صد و تسعین و یک بود

آخر شعر سے تصنیف کا سال 1191ھ معلوم ہوتا ہے' وزن سے حرفوں کا گرنا اس وقت معیوب نہ ہوگا'

# وفات نامہ حضرت نبی ﷺ

## آغاز

اول کروں حمد خدا میں	زباں اوپر آپس کی ابتداء میں
کیا قدرت سوں ظاہر اپنی قدرت	بنا کر جگ دکھایا اپنی حکمت

یہ ایک شعر ہے جس میں زبان کا نام دکھنی بتایا گیا ہے۔

مجھے توفیق دے یارب کہ بولوں	بنا اجر نبی دکھنی میں کھولوں

تصنیف کا سال معلوم نہیں کتابت کا سال 1251ھ ہے

## قصہ بانو

اس مثنوی میں ایک قصہ بیان ہوا ہے، جس کے متعلق شاعر کا دعویٰ ہے کہ یہ قصہ پہلے فارسی میں تھا اور اب دکھنی میں اس کو نظم کیا جاتا ہے'

عزیزاں روایت سنوں کان دھر	اول فارسی تھی یہ دکھنی دگر
اتھا گو وہ ایک شہر کا جو نام	ہمیشہ شیخ کا اتھا واں مقام
تھے ایک دن اس جمعہ مسجد منے	اتھے مرد بزرگ لو سارے جنے
دستے ہیں مسافر نیا آن کر	سلام علیک کر کے بیٹھا گر
پوچھے سب نے ان کو تو کہاں سے آیا	شہر ہے دور ہے نام محمد حیا
لگا بولنے کوں او یوسف سن کے بات	زلیخا کا قصہ دونوں کے سنگات
مگر ساری مجلس نے سن کر کلام	لگے بولنے آفریں سب تمام

شیخ شاعر کا تخلص ہے آخر میں ہے۔

نثر مختصر کر تو اپنی زباں      کہاں تک تو لکھے گا اس کا بیاں

زمانہ معلوم نہیں، تاہم اس کے بعض الفاظ خاص لحاظ کے قابل ہیں۔ "تھا" اور "تھے" کی جگہ "اتھا" اور "اتھے"، "اور" کی جگہ "او"، "تیں" کی جگہ "سے"، "مکان" کی جگہ "کان" وغیرہ کی جگہ "او"

## قصہ سوداگر عجم

یہ نظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک کرامت کے بیان میں ہے آغاز اس طرح ہے۔

ثنا اور حمد مولا کی صبح و شام کرتا ہوں      درود مصطفیٰ ورد زباں ہر دم میں پڑھتا ہوں
درود حمد کے پیچھوں حکایت اک کہوں نادر      عزیزو تم سنو اس کو رکھو دل کو تیں حاضر

آخر میں تاریخ ہے۔
۱۱۵۶

کیا جب ختم یہ قصہ [illegible]      کئی تصنیف میں آئے خوارق جو حضرت کے
[illegible] رحمت اللہ [illegible]      [illegible] ہو گئے اے حضرت پیر من

## خالق باری

ہمارے فارسی و ہندی ادبیات میں خالق باری کی تاریخ ایک معما ہے، اس کی تصنیف کی نسبت امیر خسرو کی طرف مشہور ہے، لیکن محققین کو ہمیشہ سے اس میں شک ہے۔ تعجب کی بات ہے کہ اس کا کوئی قدیم نسخہ اب تک نہیں ملا ہے۔ اس کتب خانہ میں اس کا ایک نسخہ نظر آیا لیکن وہ بھی قدیم نہیں، رسالہ تاریخ سے کورا ہے، مگر اس کے نستعلیق خط سے معلوم ہوتا ہے کہ سو اسو برس سے زیادہ عمر کا نہیں۔

خالق باری کے پہلے شعر کے دوسرے مصرع میں ایک لفظ ملتا ہے "جیدا یا ہوا" پڑھا جاتا ہے،

ع واحد ایک بدا کرتار

مسلم یونیورسٹی کے سلسلہ تصنیفات خسرو میں جو نسخہ چھپا ہے، اس میں یہ لفظ "بدا" چھپا گیا ہے، اور اس کے نیچے "ع" لکھا گیا ہے لیکن عربی میں بدا کرتار کے معنی میں میرے پندار میں نہیں آیا ہے، معلوم نہیں فاضل محشی کے پاس جو عربی اور سنسکرت دونوں کے فاضل ہیں، اس کی سند کیا ہے، موجودہ نسخہ میں یہ لفظ بوا لکھا گیا ہے، لیکن یہ بھی مہمل ہے بعض مطبوعہ نسخوں میں "ندا" چھپا ہے اور شاید یہ صحیح ہو،

زیر بیان نسخہ میں اول تو کچھ اشعار زیادہ معلوم ہوئے، دوسرے یہ کہ افعال اور ضمائر میں قدامت زبان کی جھلک دکھائی دی یہ تین شعر نئے معلوم ہوئے، جو مطبوعہ نسخہ میں مجھے نہیں ملے۔

چو لب بر حق خسرو بر دیست بو کا لعلا ہے — در خسرو پی کی جا کو باپ جن ری جائی ہے

رقص اندر گوش خود سیماب دی ہورا بھیا — چہ پچک رونی گالا، جسم تو آمد کیا

دل قبالی بسر وہائیں نکھے اے جوان — نالہ بالا لیپٹ لو پر اس کھوٹ گستر آن

حسب ذیل شعر ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے قلمی نسخہ سے مطبوعہ کے تحت نمبر 184 میں اس طرح چھپا ہے۔

سار چیتک، شاخ سینگ، کفش گر ہے کفش دوز

گازر و خیاط ہے، دھوبی و درزی جامہ دوز

پہلے مصرع کا وزن صحیح نہیں معلوم ہوتا، فاعلاتن کا دوسرا اور تیسرا رکن کم

ہے' پیش نظر نسخہ میں یہ غلطی نہیں' پھر دوسرے مصرع میں قافیہ روز مکرر ہے جو
درست بھی نہیں اور جامعہ روز تو خیاط' اور درزی کے مقابل کے بعد بے معنی سا ہے'
پیش نظر نسخہ میں یہ شعر یوں ہے

طلسم چینک وشاخ حیثک وکفش گر ہے گلش دوز
نگار و خیاط ہے دھوبی و درزی دلکش دوز

اس کے بعد تمہ نسخہ مطبوعہ نمبر 185 میں ہے

وانگہ بد خفت ست بھاگ خفت بھاگ    قاری آمد سر دو وبند دی گوینده راگ

اس کا پہلا مصرع شروع میں غلط ہے دوسرا رکن ٹوٹتا ہے اور تیسرا رکن غائب ہے' چار
بار فاعلاتن کے بجائے تین ہی بار ہے' پیش نظر نسخہ میں یہ غلطیاں نہیں

وانگہ بد خفت ست بھاگا' خفت دو ترس است بھاگ
قاری آمد سرد و بند می گوید راگ

مطبوعہ نسخہ میں ہے

ع ' طعم مولا' وطعام خورش جو کہیے کھانا

پیش نظر نسخہ میں طعم کی جگہ "مزہ" ہے' جو زیادہ بامعنی ہے'

مطبوعہ میں ہے'

ودّ و مروارید موتی جانیے    ہم صدف سیپی' سمندر مانیے

پیشِ نظر قلمی نسخے میں دوسرا مصرع یوں ہے

ہم بعد رائی تھے چھپائے

اس قسم کے اختلافات اور بھی ہیں لیکن اہم چیز ضمیر کا معاملہ ہے، مطبوعہ نسخوں میں لوگوں نے جدید واحد کی ضمیریں کر دی ہیں مثلاً قدیم "توں" کی جگہ "جدید تو" بہت پرانی زبان میں متکلم "ہوں" تھا جو اب بھی ہوتا ہے واحد متکلم کا صیغہ ہے، حضرت خواجہ فرید شکر گنج 584 میں پیدا ہوئے اور 670 میں وفات پائی اور امیر خسرو نے جن کی طرف یہ خالق باری منسوب ہے 525ھ میں وفات پائی ہے، غرض دونوں کا زمانہ بھی آگے پیچھے ہے، حضرت خواجہ شکر گنج کا جو فقرہ میں نے اپنے مضمون "ہندوستان میں ہندوستانی" کے عنوان سے شروع کیا ہے، اس میں واحد متکلم اور واحد مخاطب کی ضمیریں "ہوں" اور "توں" استعمال ہوئی ہیں، اسی طرح یہی دونوں ضمیریں پیشِ نظر نسخے میں ہیں، مثلاً

خواہم گفت کہوں گا ہوں     خواہم گرد کروں گا ہوں
خواہی آید ہووے گا توں     خواہی نشست بیٹھے گا توں
خواہم دید دیکھوں گا ہوں     خواہی دید دیکھے گا توں
خواہم داد دیوں گا ہوں     خواہی داد دیوے گا توں
خواہم دوید دوڑوں گا ہوں     خواہی دوید دوڑے گا توں

مطبوعہ نسخہ میں "ہوں" کی جگہ "میں" اور "توں" کی جگہ "تم" ہے،

سفرِ گجرات کی کچھ اور باتیں بھی بیان کرنی تھیں مگر دیکھتا ہوں کہ کافی سفر

بھی خاصہ طویل ہو گیا ہے تاہم ناظرین کے ملال کا اندیشہ ہے اس لیے قلم کی باگ یہیں روکی جاتی ہے۔

(معارف ستمبر 1936ء)

# تقریر مشرقی پاکستان

بنگلہ دیش

# تقریر مشرقی پاکستان

## پاکستان کو ہر چیز نئی بنانی پڑی

یارانِ بزم دوستو! مشرقی پاکستان میں ہم تاریخی (ہسٹاریکل) سوسائٹی پاکستان کا
سب سے پہلا اجلاس ہے۔ اس عظیم الشان تاریخی موقع پر آپ نے صدارت کے
فرائض کا بوجھ مجھ پر رکھا ہے اس سے میری حقیر خدمات پر جو اعتماد آپ نے کیا ہے
اس کا میں دل سے شکر گزار ہوں۔ یہ حقیقت آپ کو معلوم ہے کہ تقسیم سے پہلے جس
قدر علمی تحریکات اور علمی ادارے ہندوستان میں قائم تھے وہ کل کے کل بھارت میں
رہ گئے۔ جس طرح پاکستان کو اپنے سیاسی اور انتظامی اور حکومتی انتظامات کو از سر نو قائم
کرنا پڑا۔ اسی طرح علمی میدان میں بھی اس کو ہر چیز نئے سرے سے قائم کرنی پڑی۔
ہماری مشہور درسگاہیں، ہماری یونیورسٹی، ہمارے کتب خانے اور ہمارے ادارے
ہندوستان میں چھوٹ گئے جو اب بھارت کے مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہیں اور پاکستان
آ کر یہاں پھر ہر چیز نئی بنانی پڑی اور خدا کا شکر ہے کہ پانچ برس میں بہت کچھ انجام پایا ہے
اور ہو رہا ہے ہر جگہ درسگاہیں قائم ہو رہی ہیں اور گورنمنٹ اور قوم دونوں اپنی اپنی
کوششوں میں مصروف ہیں۔

## مسلمانوں کی قوت تعمیر و تنظیم

پاکستان کے مسلمانوں کو اپنے تمام اداروں اور علمی و تعلیمی مرکزوں کے
چھوٹ جانے پر مایوس نہ ہونا چاہیے بلکہ ان کو اس بات کا ممنون ہونا چاہیے کہ اس نے ان کو
اپنے نئے ملک میں ہر چیز کو نئے سرے سے بنا کر دنیا کے سامنے اپنی قوت تنظیم

اور قابلیت حکومت کے مظاہرہ کرنے کا موقع بہم پہنچایا۔ مسلمان پہنائے عالم میں پھیلے اور ہر جگہ ان کو اپنا ہر کام از سر نو کرنا پڑا۔ وہ ویرانوں میں پہنچے اور ان کو معمورۂ عالم بنایا۔ عرب کے ریگستان سے لیکر عراق، شام، مصر، شمالی افریقہ، اسپین اور دوسری طرف ایران، ترکستان، خراسان، ہندوستان ہر جگہ انھوں نے اپنی تعلیمی و تعمیری قوت کا مظاہرہ کیا۔ دیہات بسائے، قصبے بنائے، شہر تعمیر کئے اور اس طرح ہر ملک کو جو ان کے علم کے نیچے آیا اس کو آباد کیا اور اپنے تمدن اور معاشرت و ثقافت کے مطابق ایسا بنایا جس کی مدح ستائش تاریخ کی زبان سے آج بھی سنی جا سکتی ہے۔

## ہندوستان کی تعمیر میں مسلمانوں کا حصہ

خود ہندوستان کی مثال آپ کے سامنے ہے، جہاں اسلام کی کوئی چیز نہ تھی۔ مسلمانوں نے یہاں آکر اپنے تمدن و معاشرت و ثقافت کے ہر مظہر کو نمایاں کیا۔ اگر صرف ایک ہی چیز سامنے رکھی جائے اور کوئی اسکالر اس کو اپنی تحقیقات کا موضوع بنائے تو عظیم الشان اور ناقابل انکار نتائج کی امید ہے اور وہ یہ ہے کہ سارے ہندوستان کے شہروں، قصبوں اور دیہاتوں پر جو اس وقت آباد ہیں یا جن کا نشان ہندوستان کی اسلامی تاریخوں میں ملتا ہے ایک نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ مسلمانوں سے پہلے ہندوستان کی آبادکاری کیا تھی اور مسلمانوں نے اپنی آمد کے بعد کتنے دیہات، کتنے قصبے، کتنے شہر آباد کئے اور ان کو کس طرح علمی و تعلیمی و تمدنی عمارات سے معمور کیا۔ اگر آج ہندوستان کے دو نقشے بنائے جائیں۔ ایک ہندوستان قبل اسلام کا اور ایک ہندوستان بعد از اسلام کا تو معلوم ہوگا کہ اسلام سے پہلے یہ ملک کتنا بنجر اور غیر آباد علاقے رکھتا تھا اور مسلمانوں نے ان کو کتنا آباد اور معمور کیا۔ سارے صوبوں کو چھوڑ کر اگر صرف دہلی سے عظیم آباد پٹنہ تک کا ہی علاقہ آپ دیکھیں اور اس میں دیہاتوں، قصبوں، شہروں اور دارالحکومتوں کو گنیں تو معلوم ہوگا کہ مسلمان آبادکاری نے کتنا عظیم الشان کام اس

ملک میں انجام دیا ہے۔ ریلوے لائنوں پر جو تبدیلیاں آج تک ہوئی ہیں ان کے حصول پر اور ترقی تعمیر پر نظر غائر ڈالیے تو حقیقت سامنے آجائے گی۔

## دنیا کی تعمیر میں مسلمانوں کا حصہ

اسلام کے عہد میں اسپین کے مشہور شہر پہلے کیا تھے اور کیا ہو گئے۔ شمالی افریقہ میں طرابلس سے لے کر مراکش تک رومیوں نے اپنے بعد کیا چھوڑا تھا اور مسلمانوں نے اپنے عہد حکومت میں اس کو کیا بنا دیا۔ یہی حال ہر اس ملک کا ہے جو مسلمانوں کے تصرف میں آیا۔ دہلی جیسے آباد اور معمور دارالسلطنت چھوڑ کر آج پاکستان کو کراچی جیسی جگہ ملی اور کلکتہ جیسے معمور اور ترقی یافتہ شہر کو چھوڑ کر آج پاکستان کو ڈھاکہ جیسے شہر ملا تو گویا قدرت کو یہ دکھانا ہے کہ مسلمان آج بھی اپنی تعمیری اور تخلیقی قوتوں کا مظاہرہ کریں اور پاکستان میں نئی دنیا آباد کر کے دکھائیں اور قوم یہ غرناطہ، قرطبہ، اشبیلیہ، بلنسیہ، قیروان، فاس، مراکش، الجزائر، قاہرہ، بغداد، اصفہان، نیشاپور، تہران، غزنین، دہلی، حیدرآباد، بیجاپور، احمد نگر، گولکنڈہ، علی گڑھ، دیوبند بنا سکتی ہے وہ کراچی، ڈھاکہ، چاٹگام، ملتان، راولپنڈی اور پاکستان کے غیر ترقی یافتہ علاقوں کو مرقع بہار اور دنیا کی جنت بنا سکتی ہے اور بنا رہی ہے۔ ہماری قوم کیلئے یہ کوئی نیا کام نہیں ہے بلکہ ہم خوش ہیں کہ انگریزوں کے تمام تعمیر کردہ دارالحکومت بنے ہوئے کارخانے ادارے، کالج، یونیورسٹیاں سب بھارت میں رہ گئیں اور پاکستان کو غیر ترقی یافتہ علاقے ملے تاکہ وہ اس عہد جدید میں اپنی تعمیری و تخلیقی قوتوں کا دوبارہ مظاہرہ کریں اور تاریخ میں اپنی کوششوں سے نئے ابواب کا اضافہ کریں۔

## اسلامی اکثریت کے صوبے اور انگریزی عہد

انگریزی عہد کے ہندوستان پر ایک نظر ڈالنے سے یہ چیز واضح ہو گی کہ

انگریزوں کی تجارتی تنظیمیں، تہذیبی اور تعلیمی جدوجہد کے مستحق صرف وہ صوبے ٹھہرے جہاں مسلمان اقلیت میں تھے اور جن صوبوں میں ان کی اکثریت تھی وہ انگریزوں کی نظرِ التفات سے ہمیشہ محروم رہے۔ غور کیجئے کہ روئی سندھ میں پیدا ہوتی تھی مگر کپڑے بننے کے سارے کارخانے بمبئی کے احاطہ میں تھے۔ جوٹ مشرقی بنگال کی پیداوار تھی مگر اس کے کارخانے سب کلکتہ میں تھے لڑنے والے سپاہی پنجاب میں بھرتی کئے جاتے تھے مگر اسلحہ بنانے کے کارخانے ہندوستان میں تھے۔ یہی حال دوسری چیزوں کا تھا۔ تعلیم کیلئے یوپی میں چھ یونیورسٹیاں تھیں لیکن سندھ، سرحد، مشرقی پاکستان اس سے محروم رہے۔ ڈھاکہ یونیورسٹی ضرور انگریز کی یادگار ہے مگر معلوم ہے کہ کلکتہ یونیورسٹی نے اپنی شناخت میں یہ خودمختاری کبھی پسند نہیں کی۔

ایشیاٹک سوسائٹی کا مرکز کلکتہ اور بمبئی تھے۔ مگر لاہور چھوڑ کر کوئی پاکستانی علاقہ کسی علمی و تعمیری کام کا مرکز قرار نہ پاسکا۔ سندھ کا مرکزی صوبہ مدتوں بمبئی کی گرفت میں رہ کر اپنی ترقیوں سے محروم رہا اور کتنی کوششوں کے بعد اس کو بمبئی سے آزادی ملی۔

## ہندوستان کی علمی سوسائٹیاں بھارت کی ملکیت بن گئیں

میں نے ان واقعات کا اس لئے ذکر کیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ پاکستان کو اپنی تاریخ آپ بنانی ہے۔ اسی سلسلہ میں یہ بات بھی ذکر کے قابل ہے کہ علمی ادارے جیسے انڈین ہسٹری کانفرنس، انڈین سائنس کانگریس اور دوسرے علمی ادارے اور تجربہ گاہیں اور تحقیقی مراکز جو پہلے قبل از تقسیم ہند میں تھے وہ بھی بھارت کی ملکیت قرار پائیں اور پاکستان کو اس سلسلہ میں بھی اپنی ذاتی کوششوں پر بھروسہ کرنا پڑا۔ تین سال

ہوئے کراچی میں پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کی بنیاد رکھی تھی اس کے ممبران میں جن
بزرگوں نے حصہ لیا وہ ہمارے شکریے کے مستحق ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ آنریبل
فضل الرحمان اور ڈاکٹر محمود حسین خاں کے نام اس سلسلہ میں خاص ذکر کے قابل ہیں
نیز اس سوسائٹی کے جنرل سیکریٹری ڈاکٹر سید معین الحق کی محنت اور جدوجہد بھی
شکریہ کی مستحق ہے۔ سوسائٹی کی طرف سے کل پاکستان ہسٹری کانفرنس کا پہلا اجلاس
کراچی میں بڑے بے سروسامانی سے ہوا دوسرا اجلاس لاہور میں پنجاب یونیورسٹی کی
سرپرستی میں ہوا اور تیسرا آج ڈھاکہ میں ڈھاکہ یونیورسٹی کی دعوت پر ہو رہا ہے ان
اجلاسوں میں جو مضامین پڑھے گئے باوجود دلوں کے عدم اطمینان اور کتابوں کی کمیابی
کے وہ ہر طرح حوصلہ افزا ہیں۔

## ہمارے کام

اس وقت ہماری سب سے بڑی کمی کتب خانوں کا نہ ہونا اور کتابوں کی نایابی
ہے۔ پرانی کتابیں بازاروں سے ناپید ہیں اور جو ملتی ہیں، تجارتی قواعد اور آمد و رفت کی
مشکلات ان کے حصول میں حائل ہیں۔ ضرورت ہے کہ بھارت اور پاکستان کی تجارتی
وزارتیں علمی و تعلیمی اشیاء کی آمد و رفت میں سہولتیں پیدا کریں، اور ان کو روئی اور
جوٹ اور غلہ کی قسم کی اشیاء سے ممتاز کریں کراچی میں اگرچہ اسمبلی لائبریری۔ نیشنل
لائبریری اور لیاقت لائبریری کا کام شروع ہو چکا ہے۔ مگر وہ منزل ابھی دور ہے جب
وہ تحقیقاتی اغراض کیلئے کار آمد ہو سکیں۔

اسی طرح ہمارے آثار قدیمہ (آرکیالوجی) کے ادارے بھی بالکل نئے ہیں
گو کہ ٹیکسلا، موہنجوداڑو وغیرہ کے نادر نمونے موجود ہیں۔ تاہم نئی اثری تحقیقات
کیلئے ابھی بڑا میدان کھلا ہے۔ عربوں کے سندھ پر حکومت کے اثرات ابھی تک ریگستان
کے زیر تہ چھپے ہیں۔ منصورہ اور بیضا کی تعین نہیں ہو سکی، حتیٰ کہ دائبل کی

مشہور بندرگاہ کی تلاش میں ابھی کامیابی نہیں ہوئی۔ اور عرب اور دیگر حکمرانوں کے
سکوں کی بھی ابھی تک دریافت نہیں ہوئی۔ امید ہے کہ ہمارا محکمہ تحقیقات اثری اپنی
کوششوں کو ادھر متوجہ کرے گا۔ ابھی ان سطروں کے لکھتے وقت معلوم ہوا کہ پشاور کے
عجائب خانہ میں عربی کا سب سے پرانا کتبہ موجود ہے جس کی تاریخ سن 226 ہجری کی
ہے۔ اسی ہفتہ کے اخباروں میں مشرقی پاکستان میں ایک عربی کتبہ کی برآمدگی کی اطلاع
ملی جو علاؤ الدین خلجی کے عہد کا ہے اور اس وقت وہ تحصیل کی کچہری میں امانت ہے۔
ڈھاکہ کے نام کے ساتھ مولانا حکیم حبیب الرحمان مرحوم کی یاد آئی جو مشرقی پاکستان
کے مشہور مورخ تھے اور جن کو سکوں کا بھی شوق تھا بنو امیہ سے لے کر سلاطین ہند
تک کے سکے ان کے پاس تھے جن کو انہوں نے ڈھاکہ کے آثار قدیمہ کو دے دیا تھا۔
سندھ کے سومری اور سمہ بادشاہوں کے کچھ سکے راجپوتانہ میں ہے اور وہ بھنبھور کے
عجائب خانہ میں ہیں جن سے بادشاہوں کے بعض ناموں کی تصحیح ہوتی ہے اور ان کی
ترتیب میں مدد ملتی ہے۔

## مسلمانوں کا فن تاریخ

دوسری تمدنی وثقافتی اشیاء کی طرح علوم وفنون کی اشاعت بھی مسلمانوں میں
بنو امیہ کے زمانہ سے شروع ہوئی۔ طب کی کتابیں حضرت عمر بن عبد العزیز کے عہد
سے یعنی ہجرت سے سو برس کے بعد ترجمہ ہونے لگیں۔ مگر تاریخ کا فن وہ ہے جس کا
آغاز حضرت امیر معاویہ کے زمانہ سے شروع ہو گیا۔ انہوں نے یمن سے اور دوسرے
شہروں سے علماء کو بلا کر واقعات کی ترتیب کا کام شروع کرایا۔ علم حدیث و سیر کی کتابیں
حضرت عمر بن عبد العزیز کے حکم سے کتابوں کی صورتوں میں منتقل ہونا شروع ہوئیں۔
جس طرح فن حدیث یادداشتوں، رسالوں اور مجموعہ شیوخ سے شروع ہو کر صحاح
و مسانید و سنن کی حد تک تیسری صدی میں پہنچیں اسی طرح تاریخ بھی پہلے مخصوص

واقعات اور قصص قبائل کے احوال سے شروع ہو کر ضخیم مجلدات تاریخ کی صورت میں آئیں ابن ندیم کی فہرست سے ظاہر ہوگا کہ ابتدائی تاریخ کی کتابیں صرف چند خاص خاص واقعات کی تدوین تک محدود ہوتی تھیں۔ مثلاً قبیلہ طسم جدیس، مناقب قریش، واقعہ حرہ، مشہد، قتل کربلا، فتوح شام، فتح مصر، ابو مخنف، ابن قتیبہ، ازدی، کلبی، واقدی وغیرہ ابتدائی دور مصنفین ہیں۔ اس کے بعد ابن سعد، محمد بن اسماعیل بخاری وغیرہ کا عہد آتا ہے، اس کے بعد حمزہ اصفہانی، یعقوبی، بلاذری وغیرہ کا دور شروع ہوتا ہے، پھر جس طرح محدثین میں بخاری پہلے شخص ہیں جنھوں نے تمام مشائخ اور منتشر حدیثوں کو ایک جامع صحیح میں جمع کر کے پوری اسلامی روایات کے ذخیرہ کو یکجا کر دیا۔ اسی طرح طبری پہلا شخص ہے (302ھ) ہے جس نے تمام متفرق تاریخی رسائل و حوادث کو یکجا کر دیا۔ اور ساتھ ہی کوشش کی کہ ایرانی، رومی و اسرائیلی تاریخوں کو بھی جو اسلام سے پہلے تھیں اسلام کے ظہور کی تاریخ سے پہلے جمع کر دے تاکہ وہ پوری دنیا کی تاریخ ہو سکے، طبری چونکہ محدثانہ مذاق کے آدمی تھے اسلئے ان کی کوششیں صرف جمع روایات تک محدود تھی لیکن مسعودی 340ھ حکیمانہ مزاج کا آدمی تھا اس لئے اس کی تصنیفات کی جامعیت میں علمی اغراض و مقاصد بھی مد نظر رہیں گو اس کی اصلی کتاب اخبار الزمان ملتی نہیں تاہم مروج الذہب بھی مختلف حیثیتوں سے عربی میں دنیا کی پہلی جامع تاریخ ہے، اس کی کتاب التنبیہ والاشراف شرفائے خاندان کی سیاسی تاریخ ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کن کن عرب خاندانوں نے اسلامی حکومتوں کے بنانے اور چلانے کے کیا کیا کام انجام دیے مسعودی کے زمانہ تک یعنی ساڑھے تین سو صدیوں میں جو تاریخیں لکھی گئیں تھیں ان کا اندازہ اس سے ہوگا کہ مسعودی نے اپنی تاریخ مروج الذہب کے آغاز میں اپنی تاریخ کے اخذ کی تاریخی واقفوں کا حوالہ دیا ہے، دسویں صدی کے آغاز میں حاجی خلیفہ چلپی نے اپنی فہرست

کتب میں تاریخ کے پیچھے کتابوں سے جو نام لکھے ہیں ان کی تعداد بارہ سو کے قریب ہے
جو عربی و فارسی و ترکی زبانوں میں لکھی گئی ہیں علاوہ ازیں یہ فہرست نا تمام ہے۔

## فلسفہ تاریخ

فلسفہ تاریخ کے سلسلہ میں اگرچہ ابن خلدون کا نام سب سے روشن ہے مگر یہ سمجھنا کہ ابن خلدون نے بغیر کسی رہنما کے خود بخود یہ روشنی دفعۃً پیدا کر دی تدریجی ارتقاء کے اصول کے خلاف ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ اصول محدثین پہلے پیدا کر چکے تھے ابن خلدون کا کام یہ ہے کہ وہ ان اصولوں کو تاریخ میں رائج کرنے کی کوشش کی البتہ اس کی ایجاد ملکی خصوصیات اور سیاسی عصبیات اور اقتصادی مسائل کا تاریخ سے جوڑ پیدا کرتا ہے تورس میں بھی دولت کا سراغ اس سے چند صدیاں پہلے ملتی ہیں۔ چنانچہ ابن مسکویہ نے اپنی تاریخ کا تجارب الامم نام رکھنا اسی واقعہ کی غمازی کرتا ہے۔

## ثقافتی تاریخ

ثقافتی تاریخ کے باب میں مقریزی کی کتاب الخطط و الآثار سب سے اہم چیز ہے اور حقیقت یہ ہے کہ جس پر داد پر اس نے یہ مصر کی تاریخ لکھی اسی طرز پر اگر ہر اسلامی ملک کی تاریخ لکھی جاتی تو ہمارے پاس معلومات کا بڑا سرمایہ ہوتا۔

## مسلمان جس ملک میں پہنچے اس کو منور کر دیا

مسلمانوں نے فن تاریخ میں جو ترقیاں کیں ان کی ایک بین مثال یہ ہے کہ جس ملک میں بھی پہنچے اس کو تاریخ کی روشنی میں اجاگر کر دیا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسلام سے پہلے اس ملک میں اندھیرا چھایا تھا مسلمانوں نے آکر مشعل جلا دی۔ عرب، ایران،

مصر و شام، عراق مغرب، اسپین، ہندوستان، ہر جگہ ان کے دم قدم سے تاریخ کی روشنی ہے ورنہ اسلام سے پہلے کا سرمایہ افسانوں کہانیوں اور دیومالا کے سوا اور کچھ نہ تھا

# عرب اور عجم مورخین کا فرق

عرب اور عجم مورخین کی ذہنی ساخت میں یا تو فرق ہے یا دونوں قوموں کی نسلی خصوصیات کا تقاضا ہے کہ عرب مورخ صرف شاہی درباروں میں مقید نہیں رہتا بلکہ وہ بازاروں میں بھی آتا ہے عوام سے بھی ملتا ہے علماء کی محفلوں میں بھی جاتا ہے مشائخ کے حلقوں میں بھی جاتا ہے، حکما اور فلاسفہ سے بھی اس کی علیک سلیک ہوتی ہے مگر عجمی مورخ شاہانہ قصر و ایوان اور شاہانہ درباروں سے بہت کم باہر نکلتا ہے، اور دوسرے اصناف انسان سے اس کی ملاقات اسی وقت ہوتی ہے جب وہ شاہانہ درباروں تک پہنچتا ہے، اسی لئے عربی تاریخوں میں جو وسعت ہے وہ فارسی تاریخوں میں نہیں، اور اسی کا اثر ہے کہ ہندوستان میں مسلمان مورخوں کی تاریخ سلاطین کے حدود حکومت کی زنجیروں میں جکڑی ہے، البتہ شعراء نے اپنی بزم الگ سجائی تھی، مگر مشاعروں کی واہ واہ کے سوا وہاں کچھ اور نہیں سنائی دیتا اسی طرح مشائخ نے بھی اپنے حلقوں میں شمع نورانی جلائی مگر وہاں بھی حال و قال اور کرامات کے سوا کچھ اور نظر نہیں آتا۔ انتہا یہ ہے کہ ہزاروں لاکھوں علما، فقہا، محدثین، مفسرین، حکماء اور اطباء اور مہندسین کے تذکروں سے ساری مواضع خالی ہیں، مگر ایک میر غلام علی آزاد کی شخصیت آخر میں ظاہر ہوتی۔ تو وہ اہل کمال جو درباروں تک نہ پہنچ سکے تھے ان کا نام و نشان بھی ہم نہیں جان سکتے تھے، یہی وجہ ہے کہ جہاں تک دوسرے ملکوں کے علما اور اہل کمال کے احوال کی واقفیت کا سوال ہے ہم ہندوستان کے اہل کمال سے زیادہ معلومات رکھتے ہیں آخر میں ہمارے عہد کے مولانا سید عبدالحئی صاحب نے بارہ جلدوں میں ہندوستان کے علمائے اسلام کی تاریخ بڑی محنت سے مرتب کی، جس کی

اشاعت حیدر آباد کی قدر دانی پر موقوف تھی دو جلدیں اس کی چھپ گئیں باقی کیلئے وہ نیز
اب منتظر رہے گی اور ڈر ہے کہ قلمی نسخہ دست برد زمانہ سے ضائع ہو جائے کیا ہم یہ امید
کریں کہ پاکستان کی قدر دانی ان کے تمام کاموں کو پورا کرے گی جن کو ہندوستان کی اسلامی
ریاستوں نے ناتمام چھوڑا ہے۔

## مشرقی پاکستان کی تاریخ

مشرقی پاکستان کی گو بعض اسلامی یادگاریں جو پنڈوہ، لکھنوتی اور مرشد آباد میں
واقع ہیں وہ مغربی بنگال میں شامل ہو گئی ہیں پھر بھی مشرقی پاکستان کی یادگاروں کی اہمیت
اب بھی کم نہیں ہوئی ہے۔ خود مشرقی بنگال کی تاریخ بہت کچھ تکمیل کی محتاج ہے
ریاض السلاطین کے مختصر تذکرے اور متاخرین سے عقدے نہیں کھلتے۔ بنگال کی خود مختار
اسلامی سلطنت کا حال بہت کم معلوم ہے۔ قطب الدین نہروالی کی کتاب تاریخ امراء
بلد الحرام سے ظاہر ہوتا ہے کہ بنگال کی اس اسلامی سلطنت کے عربی تعلقات حجاز سے
وابستہ تھے اور وہیں بنگال کی اس اسلامی سلطنت کی طرف سے ایک مذہبی علمی درسگاہ
قائم تھی، دوسری طرف اس سلطنت کا عربی تعلق مملکت ایران کے ساتھ قائم تھا
جس کا مشہور عام واقعہ حافظ شیرازی کی بنگال آنے کی دعوت ہے۔ جس کے جواب میں
حافظ نے وہ مشہور غزل لکھ کر بھیجی جس کا یہ زبان زد عام شعر ہر شخص کو معلوم ہے۔

شکر شکن شوند ہمہ طوطیان ہند    زین قند پارسی کہ بہ بنگالہ می رود

مشہور سیاح ابن بطوطہ بھی بنگال کی سیر سے مشرف ہوا اس نے لکھا ہے کہ
خراسانی ایرانی سیاح بنگال کو "دوزخم پر از نعمت" کہتے ہیں۔ غالباً ان کا اس کو جہنم کہنا موسم
کی سختی کے سبب ہو گا مگر بہر حال "پر از نعمت" تو تھا اور محمد شہ کے بنگال کی یہ نعمتیں اب
بھی قائم ہیں اور ان میں بہت کچھ اضافہ ہوا ہے۔ آٹھویں صدی کے عرب جہاز راں
عرب مرحلوں سے چاٹگام آیا کرتے تھے اور اس کو وہ صدا کام کہتے تھے۔ ابن بطوطہ نے

اس کو سدگاؤں لکھا ہے۔ عجب نہیں کہ اس کا ہندی نام ست گاؤں اور سپت گرام ہو گا۔
گرام ہندی میں گاؤں کو کہتے تھے اور گاؤں گرام ہی کی شکل ہے جو اکثر ہندوستانی آبادیوں
کے نام کا جز ہے جیسے گرام، نگرام، بنگام۔ آج کل انگریزی لب و لہجہ نے اس کو چٹاگانگ
بنا دیا ہے اور افسوس ہوتا ہے جب عربی اخبارات میں اسی غلط انگریزی تلفظ کی تقلید کی
جاتی ہے۔ عربی جغرافیہ میں سلہٹ کا نام سلہط ملتا ہے۔

مشرقی پاکستان میں علما، فضلا اور اہل کمال کی بڑی تعداد گزری ہے مگر افسوس
ہے کہ ہندوستان کے اہل علم کے حلقہ تک ان کے نام نہیں پہنچے۔ قاضی رکن الدین
سمرقندی کا ایک کارنامہ ملتا ہے جن کے فیض سے ایک ہندو جوگی نے جامع مسجد
لکھنوتی میں اسلام قبول کیا اور اس نے ان کی خاطر کتاب امرت کنڈ کا ترجمہ فارسی
میں کیا جس کا نام ماء الحیات ہے اور اب اس کا ترجمہ اردو میں بھی ہو چکا ہے مگر افسوس
ہے کہ ان قاضی صاحب اور ان مترجم کے حال سے ہم ناواقف ہیں ہم کو یہ بھی معلوم
ہے صوبہ بہار کے مشہور صوفی عالم و حکیم و محقق شیخ شرف الدین یحییٰ منیری نے اپنی
تعلیم کا زمانہ بنگال میں بسر کیا اور یہیں اپنی تعلیم کی تکمیل کی مگر افسوس ہے کہ ان کے
ان نامور استاذ کے حالات سے ہم ناواقف ہیں جن کے دامن میں ایسا نامور فاضل
پیدا ہوا۔ انہی ایک غزنیہ کے قطعہ سے معلوم ہوا کہ لکھنوتی کے سلطان بغرا خان کا
درباری فارسی شاعر شمس دبیر اتنا مقبول تھا کہ امیر خسرو نے اس کی مدح میں قصیدہ
لکھا۔ بہت سے ایسے باکمال علما اور مشائخ روزگار ہیں جو مغربی پاکستان یا دہلی سے بنگال
آئے اور یہیں رہ بس گئے جن میں سے شیخ علاؤالدین لاہوری بنگالی پنڈوی المتوفی سنہ
800 اور ان کے بیٹے شیخ نورالدین پنڈوی بنگالی المتوفی سنہ 813 مشہور ہیں۔ شیخ نور
الدین پنڈوی بنگالی نے اپنے مکتوب میں ایک فارسی شعر کا ترجمہ کیا ہے فارسی شعر یہ ہے۔

ہمہ شب بزار مرغم کہ صبا نداد بوئے — تو بہ صبح گفتم چہ گنہ ہم صبا را

بدین سبب آتی سوا سج تلدا نہ بوں — بیو نیہو چکے یاتری کچھ سہاگن ناول

مجھے معلوم نہیں اس میں بنگالی زبان کا اثر کس قدر ہے۔

## بنگالی زبان اور خط کا اسلامیت سے بُعد

بنگالی زبان پہلے تحریری زبان نہ تھی، یہ بنگال کے مسلمان سلاطین ہیں، جنکی
کوششوں سے بنگالی زبان کو تحریری زبان بنایا اور اس میں بعض کتابیں لکھوائیں اور ترجمے
کرائیں۔ بنگالی ہندو مورخ مسٹر لا نے اپنی کتاب پروموشن آف لرننگ انڈر مسلم رول
میں اس واقعہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ شہر مسلمان اس زبان کو عربی رسم الخط میں لکھتے
تھے اور اس قسم کی پرانی قلمی کتابیں اب بھی موجود ہیں اگر یہ عمل انگریزوں کے عہد
انقلاب میں بھی جاری رہتا تو آج اس صوبہ میں اسی طرح بنگالی اردو بولی جاتی جس طرح
ہم گجراتی اردو اور دکھنی اردو اور بہاری اردو بولتے سنتے ہیں مگر انگریزی عہد میں ہندو
بنگالیوں نے انگریزی تعلیم میں سبقت کی اور بنگالی زبان کو جدید اصطلاحات اور محاورات
سے سنوارا اور اسکا رسم الخط ہندی کے قریب بنایا اور نئے الفاظ خالص سنسکرت ماخذ
سے لیئے گئے اور عربی و فارسی لفظوں کو زبان سے خارج کیا تو وہ ایک نئی زبان بن گئی
جو خالص ہندو ذہنیت سے معمور ہو گئی جو سنسکرت الفاظ، ہندو دیوتاؤں اور دیومالاؤں
اور خیالات سے لبریز ہو گئی اور اسلامیت سے خالی ہو گئی۔ جب مسلمانوں نے نئی
تعلیم حاصل کی تو یہی سنسکرتی بنگالی زبان انہوں نے سیکھی اور پڑھی اور یہی فصاحت و
انشاپردازی کا معیار بن گئی لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بنگال کے مسلمان باقی ہندوستان کے
مسلمانوں سے کٹ گئے اور ان تحریکات و اصطلاحات سے بیگانہ اور ناواقف رہ گئے جو
ہمارے ہندوستان کے مسلمانوں میں پھیل رہے تھے اور ان کو ملت واحدہ بنا رہے تھے،
اور افسوس ہے کہ یہ صورت حال اب تک قائم ہے۔ اور آج پاکستان کی تعمیر میں یہ
اجنبیت اور بیگانگی خارج ہو رہی ہے۔ میرے خیال میں بنگالی مسلمانوں کو سارے ملک
کے مسلمانوں کے ساتھ ملا کر ایک ملت بنانے کیلئے ضروری ہے کہ سارے پاکستان کا
ایک ہی خط ہو اور وہ عربی رسم الخط نسخ ہے۔ جس میں پشتو، سندھی، اور پنجابی لکھی جاتی

ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان صوبائی زبانوں کے نہ جاننے والے عربی رسم الخط اور مشترک عربی و فارسی الفاظ کی بنا پر عبارت کا حاصل مطلب با آسانی سمجھ لیتے ہیں۔ اگر بنگال کے مسلمان بنگالی خط بدل لیں تو وہ سارے پاکستان کو ایک بنا سکتے ہیں اور قرآن کیلئے عربی رسم خط اور دین کیلئے بنگالی رسم خط سیکھنے میں بچے دہری محنت سے بچ جائیں گے۔

## اسلامی بنگال میں علما کا حصہ

اس وقت مشرقی پاکستان میں ہندوستانی مسلمانوں کی اصلاحی تحریکات سے جو واقفیت اور آگاہی ہے اس کا ذریعہ عربی درسگاہوں کے علما اور طلبہ ہیں جو ہر سال سینکڑوں کی تعداد میں ہندوستان کی عربی درسگاہوں میں چلے جاتے تھے اور بہت کچھ وہاں سے لیکر اپنے وطن کو واپس آتے تھے اور ان کو اپنے وطن میں پھیلاتے تھے۔ لیکن ان کی تعداد کتنی ہی زیادہ ہو مگر وہ انگریزی درسگاہوں کی تعداد سے بہت کم تھی۔ جو ان تحریکات سے واقفیت کا کوئی ذریعہ نہیں رکھتے تھے کیونکہ وہ اردو سے ناواقف تھے اور بنگالی اور انگریزی اس ذخیرہ سے خالی ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب کے خاندان کی تحریکات مولانا اسماعیل شہید کی دعوت، سر سید اور علی گڑھ کی دعوت۔ ہندوستانی مسلمان مفکرین و مصنفین کے خیالات و افکار سے تاثر مشرقی پاکستان میں اسی لئے بہت کم ہے اور اسلام کا یہ سب سے آباد خطہ اسلامی مرکزوں سے بالکل بیگانہ بنا ہوا ہے اور بنگالی کی دنیا کے اندر جس کی زمین و آسمان پر ہندو تخیل اور سنسکرتی تصورات چھائے ہوئے ہیں وہ گھر کر رہ گیا اور ساری اسلامی دنیا سے کٹا ہوا ہے۔

## مشرقی پاکستان میں ملت واحدہ کا تصور

پاکستان کی دعوت اس صورت حال کی اصلاح کی دعوت ہے۔ یہ مسلمان قوموں اور علاقوں کو ایک ساتھ ملا کر واحد ملت کی تشکیل کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے ضرورت

یہ ہے کہ اس دعوت کی تکمیل کے لئے ہم اپنی تاریخ پر اصلاحی نظر ڈالیں اور اس کو اس صورت میں ترتیب دیں جس سے پاکستان کی دعوت کا مقصد پورا ہو۔

# پاکستان کے مورخوں کا فرض

حضرات! پاکستان کے قیام کے بعد ملت کا ہر صاحب فن اپنی اپنی قوت و استعداد کے مطابق پاکستان کی تعمیر میں مصروف ہے۔ تجارتی، صنعتی، زراعتی، تعمیری، ادبی، علمی، سائنسی، فلسفی ہر گوشہ علم و فن کے واقف کار پاکستان کی تعمیر میں مصروف ہیں، دوسرے اہل فن کے ساتھ ساتھ یہاں کے مورخوں پر بھی بہت سے فرائض عائد ہوتے ہیں تاریخ نویسی کے اس طرز کو بدلنا ہے جس کو انگریزی سیاست نے یہاں رائج کیا، جس نے ملک میں تفریق کا بیج بویا اور جا بجا اس ملک کی بدعملی اور بدامنی کے انگریزی راج کے جاہ و جلال اور شان و شکوہ اور عدل و انصاف اور بحالی امن و امان کی تشہیر کا کام اس فن سے لیا گیا، جس سے ملک خود اہل ملک کی آنکھوں میں ذلیل اور حاکمِ مستعد رہا اور ملک ان کی نگاہوں میں معزز بنایا گیا۔ ملک کے پورے سابق عہد حکومت کو صرف تاریکی اور ظلمت ظاہر کیا گیا تاکہ انگریزی راج کا کارنامہ روشن نظر آئے اور ان مکاریوں اور فریبیوں پر پردہ پڑ جائے جس کے ذریعہ سے بیرونی لوگوں نے اس ملک کی دولت و صنعت و حکومت پر قبضہ پایا۔

# سابق فرامین شاہی کا سرمایہ

ہند و پاکستان کے تاریخی سرمایہ کا ایک بڑا اور اہم حصہ فرامین شاہی ہیں جو اب بھی ہندو مسلم ممتاز خاندانوں مندروں اور خانقاہوں میں موجود ہیں سرسید مرحوم کے زمانہ سے لیکر مولانا شبلی مرحوم کے عہد تک بار بار اس کی تجویز مسلم ایجوکیشنل کانفرنس اور ندوۃ العلماء کے جلسوں میں منظور ہوئیں اور کبھی ان کی نمائش بھی کی گئی مگر ابھی تک

یہ فراہم ہو کر اور آؤٹ ہو کر فوٹو اور تشریح و نقشہ کے ساتھ شائع نہیں ہوئے اگر یہ
فراہم ہو کر اور آؤٹ ہو کر شائع ہوں تو ہند و پاکستان کی تاریخ کے بہت سے اہم واقعات
منظر عام پر آجائیں۔

## فن تاریخ کی تکمیل کے لئے پاکستان اور بھارت کا تعاون

حضرات! ہند و پاکستان کی تقسیم سے گو بہت سے سیاسی و انتظامی و تجارتی
مسائل میں انقلابات پیدا ہو گئے ہیں مگر جہاں تک علم و فن کا تعلق ہے وہ قوموں کی
تقسیم سے تقسیم نہیں ہوتے وہ پوری دنیا کی ملکیت ہیں اور وہ ایک دوسرے سے جڑنا
وابستہ ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ تاریخ کہ وہ واقعات اور ان کے نتائج کا مجموعہ ہے۔
ضرورت یہ ہے کہ دونوں ملکوں کے اہل فن باہمی تعاون و تفاہم سے اس کی ترتیب و
تدوین میں مصروف ہوں اور تاریخ و علم کے بجائے سیاست کی شاخ نہ بنائیں اور واقعات
کی تشریح و تفصیل میں ایسی راہ اختیار کریں جو صداقت سے دور نہ ہو اور دو ملکوں یا دو
قوموں کو ایک دوسرے سے قریب کرنے کے بجائے ان سے دور نہ کریں۔

آل پاکستان ہسٹری کانفرنس کا یہ اجلاس ہمارے لئے ایک خوش آئند منظر ہے
اور ہم کو اس سے ایک شاندار مستقبل کا چہرہ دور سے دکھائی دیتا ہے۔

(آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین)

سید سلیمان ندوی

27 فروری 1953ء